
ہمدردِ نونہال
جون ۱۹۵۹ء
-/4/-

ہمدرد نونہال

کراچی

جلد ۷

شمارہ ۵-۶

ایک رسالہ
چار آنے

سالانہ قیمت
ڈھائی رُپے

مدیرہ اعزازی :
ثریا ہمدرد

ایڈیٹر
مسعود احمد برکاتی

ترتیب



حکیم حافظ محمد یحییٰ پرنٹر پبلشر نے ہمدرد ٹرسٹ کے لیے مشہور آفسٹ لیتھو پریس میں چھپوا کر دفتر ہمدرد نونہال ہمدرد دواخانہ ناظم آباد کراچی سے شائع کیا۔

سرِ ورق کی نظم

اے ننھے منے راہی





شاعر لکھنوی

بچپن کی سادگی سے معصومیت عیاں ہے
چہرے پہ اک چمک ہے آنکھوں میں داستاں ہے
تو پھول ہے چمن کا تو جانِ گلستان ہے
اے ننھے منے راہی جانا تجھے کہاں ہے

منوائی زندگی سے جو بات تو نے چاہی
تو قوم کا مجاہد تو وقت کا سپاہی
طفلی کے کارواں کا تو میر کارواں ہے
اے ننھے منے راہی جانا تجھے کہاں ہے

میداں میں آگیا ہے جب گھر سے تو نکل کر
منزل بھی پاس تیرے آئے گی خود ہی چل کر
تیور بتا رہے ہیں ملت تری جواں ہے
اے ننھے منے راہی جانا تجھے کہاں ہے

یہ بانکپن یہ سج دھج یہ شوق یہ ارادہ
رنگیں لباس میں تو لگتا ہے کتنا سادہ
تو چاند ہے زمیں کا تاروں کا ہم زباں ہے
اے ننھے منے راہی جانا تجھے کہاں ہے

ہاں سوچ کر سمجھ کر آگے قدم بڑھانا !
راہوں کے پیچ و خم میں پھنس کر بھٹک نہ جانا
ہر موڑ زندگی کا اِک تازہ امتحاں ہے
اے ننھے منے راہی جانا تجھے کہاں ہے



کنجوس زمیندار

(ایک چینی کہانی)

یہ اس زمانہ کا ذکر ہے جب چین میں کمیونسٹ حکومت نہیں تھی کہ وہاں کے ایک قصبے میں ایک بڑا مال دار زمیندار چاؤ رہتا تھا مگر وہ بڑا کنجوس اور بخیل تھا۔ اتنا کنجوس کہ گاؤں والوں نے اس کا نام ہی "پو۔پی" یعنی شوم رکھ دیا تھا۔ سب اس سے نفرت کرتے تھے، کوئی اس کا نام نہ لیتا تھا۔

چاؤ اپنے کسانوں اور کھیت کے مزدوروں سے بہت بری طرح پیش آتا تھا، آخر ایک دن جتنے لوگ اس کے کھیتوں پر کام کرتے تھے وہ سب کے سب کھیت چھوڑ کر چلے گئے۔ اصل میں زمینداروں کی ایسی باتوں نے انھیں کہیں کا نہ رکھا اور دنیا کے اکثر ملکوں میں ان سے زمینیں چھین لی گئیں اور کسانوں کو دیدی گئیں۔

سال بھر تک اس کی زمینیں یوں ہی پڑی رہیں، چاؤ بہت پریشان ہوا، اسے زمینوں سے بہت آمدنی تھی، اب کیا کرے، سوچتے سوچتے اسے ایک ترکیب سوجھی، اس نے اپنے گاؤں میں بھی اور آس پاس کے سب گاؤوں میں ڈھنڈورا پٹوادیا کہ جو لوگ چاؤ کے کھیت جوتیں گے انھیں دوگنی مزدوری دی جائے گی اور سال بھر کی خوراک کے لیے اناج دیا جائے گا۔

تاہو ایک نیک اور ایمان دار مزدور تھا، اس نے جب یہ بات سنی اور وہ چاؤ کے پاس پہنچا تو معلوم ہوا کہ چاؤ اسے تیس "تائل" (ایک تائل تین روپے کے برابر ہوتا ہے) سالانہ دے گا، تاہو نے کہا "مجھے منظور ہے"۔

چاؤ بڑا چالاک آدمی تھا، اس نے کہا، "میری ایک شرط بھی تمھیں ماننی پڑے گی، وہ شرط یہ ہے کہ اگر میں کوئی کام تمھارے سپرد کروں اور تم اسے نہ کر سکو یا کرنے سے انکار کرو تو تمھاری اجرت میں سے دس تائل کاٹ لوں گا"۔

تاہو نے کہا "ٹھیک ہے، مجھے یہ شرط منظور ہے"، اور اگلے ہی دن سے اس نے کھیتوں پر کام شروع کر دیا۔

تاہو نے بڑی محنت سے کام کیا اور پہلے ہی سال چاؤ کو بہت فائدہ ہوا، اتنا فائدہ کبھی اس سے پہلے اُسے اپنے کھیتوں سے نہ ہوا تھا۔

ایک دن چاؤ تاہو کو اپنی جنس کی کوٹھری میں لے گیا اور اُسے دو شراب کے گھڑے دکھائے، ایک بڑا گھڑا تھا اور ایک چھوٹا، اس نے تاہو سے کہا کہ بڑے گھڑے کو چھوٹے گھڑے کے اندر رکھ دو، تاہو بے چارہ بہت پریشان ہوا، بڑے گھڑے کو چھوٹے گھڑے میں کیونکر رکھ دیتا، اس کی اُجرت سے دس تائل کٹ گئے۔

اس کے بعد چاؤ نے تاہو سے کہا کہ جنس کی کوٹھری کے فرش کو دھوپ میں سکھا دو، اُس نے بہتیرا چاہا کہ فرش کو دھوپ میں کیوں کر سکھایا جائے مگر اس کی کچھ سمجھ میں نہ آیا دس تائل اور ختم ہوئے اس طرح اس کو جو اُجرت ملتی اس میں سے بیس تائل کٹ گئے۔

غریب تاہو مجبور تھا، بے بس تھا، سال کے آخر میں وہ اپنی بقایا اجرت لینے کے لیے چاؤ کے پاس گیا مگر چاؤ اسے ایک پیسہ بھی نہ دینا چاہتا تھا، اس دفعہ اس نے تاہو سے کہا کہ "تم یہ بتاؤ کہ میرے سر کا وزن کیا ہے"، تاہو بے چارہ پھر ہکا بکا رہ گیا اور کوئی جواب نہ دے سکا، اس طرح چاؤ نے تاہو کے باقی دس تائل بھی ضبط کر لیے۔

تاہو اداس اور شکستہ دل اپنے گھر پہنچا اور اپنے بھائی ارہو کو ساری داستان سنائی، ارہو کو دغاباز چاؤ پر بہت غصہ آیا اور اس نے ارادہ کر لیا کہ اس سے بدلا لے کر چھوڑوں گا۔

اگلے سال چاؤ نے پھر اسی طرح ڈھنڈورا پٹوایا کہ جو لوگ میرے کھیت جوتیں گے انھیں دگنی مزدوری دی جائے گی۔ ارہو فوراً اس کے پاس پہنچا اور تیس تائل پر کام کرنے کے لیے راضی ہو گیا، چاؤ نے اپنی وہ شرط بھی پیش کی کہ "اگر میں کوئی کام تمھارے سپرد کروں اور تم اسے نہ کر سکو یا کرنے سے انکار کرو تو میں تمھاری اجرت میں سے دس تائل کاٹ لوں گا۔"

ارہو نے یہ شرط بھی منظور کر لی۔

ایک دن اسی طرح چاؤ ارہو کو اپنی جنس کی کوٹھری میں لے گیا اور اسے دو شراب کے گھڑے دکھائے ایک بڑا اور ایک چھوٹا اور پہلے کی طرح ارہو کو حکم دیا کہ بڑے گھڑے کو چھوٹے گھڑے کے اندر رکھ دو، ارہو نے بلا تامل بڑے گھڑے کو اٹھا کر زمین پر پٹک دیا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے اس کے بعد اس نے بڑے گھڑے کے ٹکڑے اٹھانے شروع کیے اور انھیں چھوٹے گھڑے میں بھرنے لگا۔

چاؤ بھڑک کر بولا، "گنوار کہیں کے، تجھے اس گھڑے کے دام دینے پڑیں گے، تو نے میرا بڑا نقصان کر دیا۔"

اِرہو نے بڑے زور کے ساتھ جواب دیا" میں نے تو تمھارے حکم کی تعمیل کی ہے، مجھے بتاؤ کہ اور کون سا طریقہ بڑے گھڑے کو چھوٹے گھڑے کے اندر رکھنے کا تھا"

اس کے بعد جب برسات شروع ہوئی اور سب چیزیں سیل گئیں تو چاؤ نے اپنا دوسرا حربہ کیا، اس نے ارہو سے کہا کہ جنس کی کوٹھری کے فرش کو دھوپ میں سکھا دو، ارہو اس کام کے لیے بھی پہلے ہی سے تیار تھا، وہ جنس کی کوٹھری کی چھت پر چڑھ گیا اور پھاوڑے سے اس کی چھت میں سوراخ کرنے لگا، چاؤ کو یہ دیکھ کر بہت غصہ آیا، اس نے ارہو کو آواز دے کر کہا،" یہ تم کیا کر رہے ہو، خبردار جو میری چھت کو نقصان پہنچایا"

ارہو نے جواب دیا،" میں تو تمھارے حکم کی تعمیل کر رہا ہوں، جنس کی کوٹھری کے فرش تک دھوپ پہنچاؤں گا"

چاؤ بولا،" نہیں، تم فرش تک دھوپ نہ پہنچاؤ" اسے ارہو پر قابو پانا مشکل معلوم ہونے لگا، دوسری دفعہ بھی اس کی کچھ نہ چلی، اپنا سا منھ لے کر رہ گیا۔

سال ختم ہونے پر جب ارہو نے اپنی اجرت طلب کی تو چاؤ بولا کہ" پہلے یہ بتاؤ کہ ہمارے سر کا وزن کیا ہے؟ ارہو نے جواب دیا" تمھارے سر کا وزن ساڑھے تین سیر ہے"

چاؤ ہنس کر بولا،" غلط ہے میرے سر کا وزن چار سیر سے کم نہیں ہو سکتا"

ارہو یہ کہتا ہوا کہ دیکھو ابھی بتاتا ہوں کمرے کے باہر چلا گیا اور ایک ترازو اور بڑا سا چھرا لے کر کمرے میں آیا اور بولا" میں ابھی تمھارا سر کاٹ کر تول دیتا ہوں، معلوم ہو جائے گا اس کا وزن کتنا ہے"

مصیبت کے مارے چاؤ نے چیخ کر کہا" خدا کے لیے یہ چھری لے جاؤ، جو وزن تم نے بتایا ہے وہی ٹھیک ہے"

چاؤ کو اپنی جان عزیز تھی، اس کی چالیں اور اس کی دغابازیاں کام نہ آسکیں اور مجبور ہو کر اس نے ارہو کو تیس تائل دے دیے اور اس سے اپنا پیچھا چھڑایا۔ چاؤ کو اپنے تیس تائلوں کا بڑا غم تھا، اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، ارہو نے رخصت ہوتے وقت چاؤ سے کہا،" یاد رکھو اب آئندہ سے کبھی کسی کسان کو دغا دینے کی کوشش نہ کرنا"



راجہ کا انصاف

ایک ایکٹ کا ڈرامہ

(سیّد ابوالانشا)

ڈرامہ کے کردار:

راجہ چوپٹ	راج
سادھو	مزدور
سادھو کا چیلا	کملا رقاصہ
چور	چوبدار
ساہوکار	

پہلا سین
شہر کے باہر ایک سڑک

(ایک سادھو اور اس کا چیلا تیرتھ یاترا کے لیے جا رہے ہیں اور راستے میں ایک بڑے شہر کے پاس سے گزر رہے ہیں۔)

سادھو:- اب تو چلتے چلتے تھک گئے، چلو کہیں چھاؤں مل جائے تو تھوڑی دیر آرام کرلیں۔

چیلا :- ہاں مہاراج جو آپ آگیا ہو، وہ سامنے پیپل کا برکش ہے، آیئے وہیں بسرام کیجیے، وہ دیکھیے وہاں ایک کنواں بھی تو ہے۔

سادھو:- یہ تو بہت اچھی بات ہے، اشنان کریں گے پھر وہیں بیٹھ کر بھوجن کرلیں گے۔

چیلا :- جو آگیا ہو مہاراج! مجھے تو کچھ بھوک ہے نہیں آگیا ہو تو میں اس نگری کی سیر کرآؤں۔ جو پاس بھی ہے، آپ اتنے اشنان کرکے بھوجن کرلیجیے۔

سادھو:- نہیں بیٹا! وہاں نہ جا اس نگری کا راجہ خبطی اور مراقی ہے، کسی سمجھدار آدمی کو اس نگری میں نہ جانا چاہیے۔

چیلا :- مہاراج! مجھے راجہ سے کیا لینا ہے میں تو نگری میں اِدھر اُدھر گھوم کر چلا آؤں گا۔

سادھو:- اچھا بھیّا! تیرا یہی جی چاہتا ہے تو جا گھوم آ، پر کوئی بپتا آپڑے تو مجھے بلا لینا۔

(چیلا شہر کی طرف روانہ ہو جاتا ہے)

دوسرا سین
راجہ کا محل

(راجہ چوپٹ اپنے سنگھاسن پر بیٹھا ہوا ہے راجہ کچھ خبطی سا ہے، اس کو سب سے زیادہ اس بات کی دھن ہے کہ میں سب کے ساتھ انصا

کروں، نیائے کروں، ہر قصور کی سزا راجہ کے
یہاں موت ہے)
چوبدار:۔ مہاراج! ایک چور کچھ فریاد لے کر آیا ہے۔
راجہ:۔ چور کو حاضر کیا جائے۔
(چور آتا ہے اور جھک کر پرنام کرتا ہے)
راجہ:۔ کہو، کیا کہنا چاہتے ہو۔
چور:۔ مہاراج! میں ایک چور ہوں اور جیسے سب
لوگ آپ کے راج میں چین اور سکھ کے ساتھ
اپنا اپنا پیشہ کرتے ہیں اسی طرح میں بھی اپنا
پیشہ کرتا ہوں، مگر رات میں ایک ساہوکار کے
گھر میں چوری کرنے کے لیے گیا تھا اور دیوار پر
چڑھنا چاہتا تھا تو اس دیوار میں سے ایک
اینٹ نکل کر میرے پیر پر گر پڑی اور میرا پیر
زخمی ہو گیا، مہاراج میں نیائے چاہتا ہوں'
اس ساہوکار سے مجھے معاوضہ دلایا جائے۔
راجہ:۔ تم ٹھیک کہتے ہو۔ تم پر ظلم ہوا ہے، ہم تمھیں
ساہوکار سے معاوضہ دلائیں گے۔
(راجہ حکم دیتا ہے کہ ساہوکار کو حاضر کیا جائے
تھوڑی دیر بعد ساہوکار حاضر ہوتا ہے، وہ
راجہ کے مزاج سے اچھی طرح واقف ہے)
ساہوکار:۔ (ہاتھ جوڑ کر) مہاراج! آپ کا خیال بالکل
ٹھیک ہے، غریب چور کو بہت تکلیف پہنچی ہے
اس پر ظلم ہوا ہے مگر اس میں میرا قصور نہیں
ہے، میں نے جس راج سے مکان بنوایا ہے اس
نے اینٹ ڈھیلی چھوڑ دی، قصور اصل میں
راج کا ہے۔
راجہ:۔ (تھوڑی دیر تک سوچنے کے بعد) تم ٹھیک
کہتے ہو، کمبخت راج ہی کا سارا قصور ہے۔
(راجہ حکم دیتا ہے کہ راج کو حاضر کیا جائے
راج حاضر ہوتا ہے، اس پر جو الزام عائد کیا
کیا گیا ہے اس کو اس سے آگاہ کیا جاتا ہے)
راج:۔ مہاراج! قصور سارا میرا نہیں ہے، جو مزدور
میرے ساتھ کام کر رہا تھا میں نے اس سے
گارا پھیلانے کو کہا تھا، اس نے بہت پتلی
تہ گارے کی پھیلا دی اسی لیے اینٹ گر گئی،
اس لیے قصور اصل میں مزدور کا ہے۔
راجہ:۔ (تھوڑی دیر سوچنے کے بعد) تم ٹھیک کہتے
ہو، قصور اصل میں مزدور کا ہے، مزدور کو
حاضر کیا جائے۔
(تھوڑی دیر بعد مزدور کو حاضر کیا جاتا ہے
اور اسے بتایا جاتا ہے کہ تم پر کیا الزام ہے)
مزدور:۔ مہاراج، میں تسلیم کرتا ہوں کہ غلطی میری
ہی ہے مگر میں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں
نہیں کیا، حضور بات یہ تھی کہ ہمارے ملک
کی مشہور رقاصہ کملا جو بلا کی حسین ہے اس
وقت سڑک سے گزر رہی تھی میں خود پر قابو
نہ رکھ سکا اور اس کی طرف دیکھنے لگا اور
اینٹ کے نیچے اچھی طرح گارا پھیلانا بھول
گیا، اس صورت میں چور کو تکلیف پہنچنے کی
ذمہ دار کملا رقاصہ ہے مہاراج! میں نہیں ہوں۔
راجہ:۔ (کچھ دیر غور کرنے کے بعد) ہاں تمھاری بات
ہماری سمجھ میں آگئی، بے شک کملا ہی نے غریب
چور پر آفت ڈھائی ہے، کملا کو اسی وقت حاضر
کیا جائے۔

کملا کو فوراً طلب کیا گیا اور اس کے جرم سے
اسے آگاہ کرکے پھانسی کی سزا کا حکم سنا دیا گیا)

کملا :- سسکیاں بھرتے ہوئے اور روتے ہوئے)
مہاراج! میں شہر کی سب سے زیادہ ہر دلعزیز
رقاصہ ہوں، سب کا دل بہلاتی ہوں، سب کو
خوش کرتی ہوں، حضور میری جان بڑی قیمتی ہے مگر
انصاف کو بھینٹ تو چڑھانی ہی پڑے گی،
اس لیے میری نازک جان کے بجائے کسی بے کار
بھیک مانگنے والے کو پھانسی کیوں نہ دیدی جائے

راجہ :- (کچھ سوچتے ہوئے) خیال برا نہیں ہے، ٹھیک
کہتی ہے شہر کی اس خوبصورت رقاصہ کی جان
کیوں جائے، جاؤ سب سے پہلے سڑک پر جس
بھیک مانگنے والے پر نظر پڑے اسے پکڑ لاؤ۔

تیسرا سین

محل کے پاس والی سڑک

(سادھو کا چیلا محل کے پاس والی سڑک سے
اِدھر اُدھر تکتا ہوا گزر رہا تھا، اُدھر سے سپاہی
کسی بھیک مانگنے والے کی تلاش میں نکلے سادھو
کے چیلے کو دیکھتے ہی گرفتار کر لیا اور راجہ کے
محل میں لے گئے اور اسے پھانسی کا حکم سنا دیا،
اِدھر جب چیلا دیر تک واپس نہیں آیا تو سادھو
اسے ڈھونڈتا ڈھونڈتا ٹھیک وقت پر راجہ
کے محل میں پہنچ گیا اور سارا حال معلوم کرکے راجہ
کے حضور میں حاضر ہوا)

سادھو :- مہاراج! کرپا کرکے آپ اس منگتے کی جگہ مجھے
پھانسی دیدیجیے۔

راجہ :- کیوں، آخر کیا بات ہے تمھیں مرنے کی اتنی تمنا
کیوں ہے؟

سادھو :- مہاراج! میں ایک سادھو ہوں، اپنے
گیان دھیان سے میں نے معلوم کیا ہے کہ اس
وقت جس شخص کو پھانسی دی جائے گی وہ فوراً
ہی دوسرا جنم لے کر زندہ ہو جائے گا اور اس ملک
کا راجہ بنے گا، حضور مجھے پھانسی دے دیجیے۔

راجہ :- اچھا اب مجھے معلوم ہوا کہ تو کیوں مرنا چاہتا ہے
تو بڑا چالاک اور بدمعاش ہے، تو میری سلطنت
پر قبضہ کرنا چاہتا ہے، شاید تو مجھے بے وقوف
سمجھتا ہے، بھلا یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ میں
تجھے یا کسی اور کو اپنی سلطنت کا مالک بننے دوں
میں خود نہ پھانسی کے تختے پر چڑھوں گا۔

(یہ کہہ کر راجہ سیدھا پھانسی کے تختے پر پہنچا اور
جلاد کو حکم دینے ہی والا تھا کہ سادھو نے دونوں
ہاتھ اٹھا کر اسے روکا،)

سادھو :- مہاراج! آپ تو راجہ ہیں ہی اور جب
آپ پھانسی پا کر دوبارہ زندہ ہوں گے تب بھی
آپ ہی راجہ بنیں گے اس لیے آپ خواہ مخواہ
پھانسی کی زحمت کیوں اٹھائیں اور اپنی پرجا
کو کیوں دکھ پہنچائیں، انصاف یہی چاہتا ہے
کہ آپ پھانسی کے تختے سے اتر آئیے۔

(یہ بات راجہ کی سمجھ میں آگئی وہ پھر پھانسی کے
تختے سے اتر کر اپنے تخت پر آگئے اور سادھو
اور اس کا چیلا یاترا پر روانہ ہو گئے)





چڑیا گھر

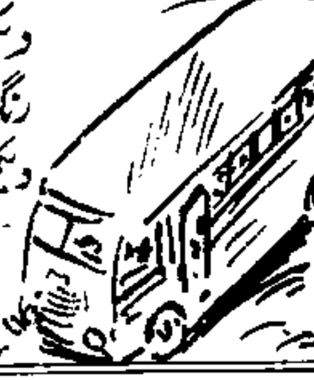
رشید احمد رشید

دفتر سے جب آئے ابّا   لائے ٹافی کا اک ڈبا
امّی بولیں بچّو آؤ   ٹافی کھاؤ ۔ ٹافی کھاؤ
بےبی، کشور، قیصر، افسر   عزمی، ارشد، امجد، انور
ننھّے منّے پیارے پیارے   اِک پل میں آ پہنچے سارے
ہر اِک نے اک ٹافی پائی   خوش ہو کر جو سب نے کھائی
ابّا پھر یوں بولے، بچّو!   اچھے بچّو! بھولے بچّو!
کل چڑیا گھر جائیں گے ہم   سب کو سیر کرائیں گے ہم
جوں توں سب نے رات گزاری   دن نکلا تو کی تیاری
کپڑے پہن کر اچھے اچھے   بیٹھے بن ٹھن کر سب بچّے
ساتھ اپنے بچّوں کو لے کر   جا بیٹھے ابّا اِک بس پر
ہارن بجاتی کرتی پھٹ پھٹ   چڑیا گھر پہنچی بس جھٹ پٹ
بس سے اتر کر پہنچے اندر   دیکھے ایک جگہ کچھ بندر
کچھ تھے سرخ اور کچھ تھے کالے   چھوٹی چھوٹی آنکھوں والے
اور آگے جب دیکھا بڑھ کر   دیکھا لنگوروں کا لشکر
دیکھے خرگوش اور چکارے   بھولے بھولے پیارے پیارے
آگے دیکھا ایک کنگارو   اچھا خاصا نیک کنگارو
اتنے میں اک شیر دہاڑا   پاس ہی اک ہاتھی چنگھاڑا
دیکھ چکے جب سارے درندے   آگے بڑھ کر دیکھے پرندے
رنگ برنگے طوطے دیکھے   باز، کبوتر، شکرے دیکھے
دیکھیں چڑیاں پُھر پُھر کرتی   گرتی، پڑتی، اڑتی، پھرتی

پھیلے جوں ہی شام کے سائے
ہم سب واپس گھر کو آئے









صبر پنکھا

سیدہ مسرت جہاں



نشاط کے بادشاہ کی چار لڑکیاں تھیں، لیکن بادشاہ اپنی چھوٹی لڑکی شہناز کو سب سے زیادہ چاہتا تھا اسی وجہ سے باقی تینوں بہنیں شہناز سے حسد کرنے لگیں ایک بار بادشاہ کسی سفر پر جانے لگا تو اس نے چاروں لڑکیوں سے ان کی فرمائشیں دریافت کرائیں۔ تینوں لڑکیوں نے تو اپنی اپنی پسند کے مطابق فرمائشیں کردیں، مگر شہناز کے پاس جب خواجہ سرا پہنچا تو وہ قرآن مجید کی تلاوت کر رہی تھی، خواجہ سرا نے بادشاہ کا پیغام کہا تو شہناز نے ہاتھ کے اشارے سے یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ صبر کرو میں تلاوت ختم کرلوں پھر جواب دوں گی۔ خواجہ سرا یہ سمجھ کر کہ شہزادی نے ہاتھ کے اشارہ سے ہی جواب دے دیا۔ واپس لوٹ گیا، مگر راستہ بھر یہ سوچتا رہا کہ شہزادی نے ہاتھ ہلا کر کس چیز کی فرمائش کی ہے؟ آخر اس نے سوچتے سوچتے شہزادی کے اشارہ کا یہ مطلب نکالا کہ، صبر کے پنکھے، کی فرمائش کی ہے۔ لہذا اس نے بادشاہ کے پاس پہنچ کر شہزادی شہناز کی جانب سے، صبر کے پنکھے، کی فرمائش کردی۔

بادشاہ سفر پر روانہ ہوگیا اور عرصہ کے بعد واپس آیا تو اپنی چار لڑکیوں کے فرمائشی تحفے ساتھ لایا، تینوں بہنوں نے جو چیزیں منگائی تھیں وہ بہت قیمتی تھیں لیکن شہناز کے لیے جو تحفہ آیا تھا وہ ایک معمولی سا پنکھا تھا، اس پر تینوں بہنوں نے شہناز کا بہت مذاق اڑایا، شہناز اپنی عادت کے مطابق ہنستی اور خوش ہوتی رہی حالاں کہ پنکھے کی نہ اس نے فرمائش کی تھی اور نہ وہ اس کو پسند تھا، نیک دل شہناز یہ سمجھ رہی تھی کہ ابا جان باقی بہنوں کے لیے تحفے ان کی پسند کے لائے ہیں مگر میرے لیے خود اپنی پسند کا تحفہ لائے ہیں۔ جب تینوں لڑکیاں چلی گئیں تو بادشاہ نے شہناز سے کہا ' بیٹی ' تمھارا تحفہ بہت مشکل سے ملا ہے۔ بلکہ میں تو نا امید ہوگیا تھا کہ اتفاق سے ایک خدا رسیدہ بزرگ مل گئے، اور ان کی عنایت سے یہ پنکھا مل گیا، شہناز نے باپ کا شکریہ ادا کیا اور سلام کر کے اپنے کمرہ میں پہنچ کر مسہری پر لیٹ گئی اور آہستہ آہستہ پنکھا ہلانے لگی، ابھی شہناز نے پنکھے کو دو تین بار ہی ہلایا تھا کہ قریب سے دھواں سا اٹھا اور جلد ہی اس دھوئیں نے ایک خوب صورت شہزادے کی شکل اختیار کرلی۔

شہناز یہ دیکھ کر بہت خوف زدہ ہوئی اور ممکن تھا کہ ڈر کی وجہ سے اس کے منہ سے چیخ نکل جاتی کہ شہزادہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ شہزادی صاحبہ، آپ خوف نہ کھایئے اور جلد بتایئے کہ میرے لائق کیا خدمت ہے! شہناز ڈرتے ڈرتے آہستہ سے بولی، کون ہیں آپ! میں نے تو آپ کو نہیں بلایا۔ شہزادہ بولا۔ میرا نام شاداب ہے اور میں بہارستان کا شہزادہ ہوں، میری جان کا تعلق اس پنکھے سے ہے جو آپ کے پاس ہے۔ یہ پنکھا جہاں بھی ہلایا جاتا ہے میں فوراً خود بخود وہاں پہنچ جاتا ہوں، شہناز مسکراتے ہوئے بولی۔ اچھا تو یہ میرے ابا جان کے لائے ہوئے تحفے کی کرامت ہے۔ پھر یہ دونوں خوب گھل مل گئے، کچھ دیر بعد شہزادہ رخصت ہوگیا، لیکن اس دن سے شہناز کا یہ روز کا معمول ہوگیا کہ وہ اپنا کمرہ بند کرکے پنکھا ہلاکر شہزادے کو بلالیتی اور گھنٹوں اس سے باتیں کرتی، یہ دونوں چند ہی دنوں میں ایک دوسرے سے بڑی محبت کرنے لگے، شہناز کی زیادہ تر اپنے کمرہ میں بند رہنے کی خبر اڑتے اڑتے تینوں بہنوں کے کانوں تک بھی پہنچی، انھوں نے مشورہ کیا کہ شہناز کی زندگی کا ضرور اس میں کوئی راز ہے۔ لہذا اس کو معلوم کرنا چاہیے فوری یہ تینوں بہنیں شہناز کے پاس پہنچیں اور بڑی محبت و پیار کا اظہار کیا، نیک دل شہناز ان کی چاپلوسی کی باتوں کو حقیقت تصور کرکے بہت خوش ہوئی۔ سب نے مل کر کھانا کھایا اور اس کے بعد کچھ دیر ہنسی مذاق کرتی رہیں۔ پھر آرام کی غرض سے لیٹ گئیں، اب شہناز کو شہزادہ کا خیال آیا اور وہ اس سے ملنے کے لیے بے چین ہوگئی لیکن بہنوں کی موجودگی میں شہزادے کو بلانا بھی مشکل تھا۔ لہذا وہ خاموش لیٹی رہی تھوڑی دیر بعد جب شہناز نے یہ سمجھا کہ سب بہنیں سوگئی ہیں تو اس نے خاموشی سے اٹھ کر دوسرے کمرے میں جاکر جلد جلد پنکھا ہلانا شروع کیا، شہزادہ آگیا۔ شہزادے نے آتے ہی شہناز سے پوچھا۔ شہزادی آج مجھ کو اتنی دیر میں کیوں یاد کیا! جواب میں شہناز نے اپنی بہنوں کی آمد کا حال بتادیا۔ شہزادہ یہ سن کر مضمحل ہوگیا۔ شہناز نے شہزادے کے مضمحل ہونے کی وجہ دریافت کی، تو شہزادہ بولا۔ بات یہ ہے کہ جب کوئی بات سن کر میرا دل ٹوٹنے لگتا ہے تو میرے اوپر کوئی آفت ضرور آتی ہے۔ اس وقت بھی مجھ کو ایسا محسوس ہوا کہ میرا دل ٹوٹ رہا ہے، شہناز بولی، شہزادے اس وہم کو تم اپنے دل سے نکال دو۔ شہزادہ یہ سن کر خاموش ہوگیا۔ ادھر شہناز کے آتے ہی تینوں بہنیں اٹھ کر شہناز کے کمرے کے پاس پہنچ کر اس کی درازوں میں سے اندر جھانکنے لگیں، وہاں شہناز کو ایک خوب صورت شہزادے کے ساتھ دیکھ کر حسد کی وجہ سے ان کے تن بدن میں گویا آگ لگ گئی، یہ تینوں فوری اپنے کمرے میں واپس آئیں اور آپس میں بولیں، اچھا یہی بات ہے جو شہناز کی بچی بہت خوش خوش نظر آتی ہے خیر اب اس کو ایسا مزا چکھایا جائے کہ یہ تمام عمر یاد کرے، یہ فیصلہ کرکے یہ پھر شہناز سے جھوٹی محبت جتانے لگیں، چند دن اسی طرح گزر گئے، پھر ایک روز تینوں بہنوں نے شہناز سے کہا۔ بہن، ہم کو شہزادہ کا راز معلوم ہوگیا ہے اور ہم بہت خوش ہیں کہ ہماری بہن کو ایک اتنا اچھا شہزادہ مل گیا، اب ہمیں

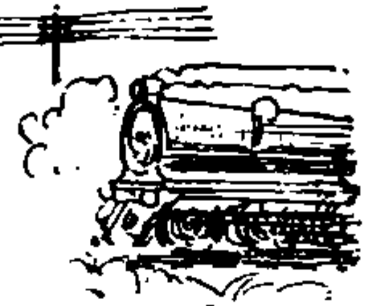
تمھارے شہزادے سے ملنے کا بڑا اشتیاق ہے، پہلے تو یہ سن کر شہناز بہت گھبرائی لیکن پھر ان کی چکنی چپڑی باتوں میں آکر راضی ہوگئی، جلدی جلدی تینوں نے شہناز کے کمرے کو سجایا اور اس مسہری میں جس پر شہزادے کو بٹھانا تھا جادو کی سوئیاں لگادیں جو پہلے ہی انھوں نے ایک جادوگر سے منگالی تھیں۔ تاکہ شہزادہ جیسے مسہری پر آکر بیٹھے جادو کی سوئیاں اس کے بدن میں پیوست ہو جائیں، ان تینوں نے اپنا سب کام پورا کرکے شہناز سے کہا۔ اب ہم دوسری کمرے میں جارہے ہیں تم شہزادے کو بلاؤ، پہلے اس سے ہمارا تذکرہ کرنا پھر ہم کو بلالینا، یہ کہہ وہ چلی گئیں۔ شہناز نے پنکھا ہلایا اور شہزادہ مسکراتا ہوا آگیا۔ اور شہناز کو بغور دیکھتے ہوئے بولا۔ شہناز آج تم بہت زیادہ خوش اور خوب صورت نظر آرہی ہو۔ یہ سن کر شہناز نے شرما کر گردن جھکالی اور شہزادہ ہنستا ہوا آگے بڑھ کر مسہری پر بیٹھ گیا، مسہری پر بیٹھتے ہی جادو کی سوئیاں اس کے بدن میں گھس گئیں۔ جس کی تکلیف سے ایک خوف ناک چیخ اس کے منہ سے نکلی اور وہ ایک دھواں سا بن کر غائب ہوگیا۔ یہ دیکھ کر شہناز نے بھی ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہوکر فرش پر گر پڑی۔ یہ چیخ کی آواز سن کر تینوں بہنیں شہناز کے کمرہ میں آگئیں، دل میں تو یہ بے حد خوش تھی لیکن ظاہر میں افسوس کا اظہار کرتے ہوئے شہناز کو ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگیں۔ شہناز ہوش میں جلد ہی آگئی مگر اس کی سمجھ میں یہ ماجرا بالکل نہیں آرہا تھا۔ اس نے بہنوں کے سامنے ہی دو تین بار پنکھا ہلایا لیکن شہزادہ نہیں آیا۔ اس وجہ سے شہناز اور بھی حیران و پریشان ہوتی۔ کچھ دیر بعد تینوں بہنیں شہناز کو جھوٹے دلاسے اور تشفیاں دے دے کر رخصت ہوگئیں، اب شہناز دن رات اکیلی پڑی روتی رہتی۔ کئی دن اسی طرح گزر گئے پھر اس نے شہزادے کو خود تلاش کرنے کا فیصلہ کیا اور رات کی تاریکی میں خاموشی کے ساتھ محل سے نکل کھڑی ہوئی، جنگلوں اور بیابانوں میں چلتے چلتے کئی دن ہوگئے، اس کے پیروں میں آبلے پڑگئے اور جسم کے تمام کپڑے کانٹوں اور درختوں سے الجھ الجھ کر چیتھڑے ہوگئے، مگر شہناز ہمت باندھے آگے بڑھتی رہی۔ ایک دن یہ بہت پریشان تھی کہ اس کو ایک فقیر ملا، شہناز نے اس کو اپنی تمام مصیبتوں کی داستان سنائی تو فقیر اس سے نہایت ہمدردی کے انداز میں بولا۔ بیٹی، اب تم مت گھبراؤ، خدا نے منزل قریب کردی ہے۔ بہارستان یہاں سے بہت قریب ہے اور شہزادہ شاداب، جادو کی سوئیوں کے اثر سے بہت بیمار ہے، میں ایک دوا تم کو دیتا ہوں تم اس کو لے کر ایک جوگن کا بھیس بدل کر وہاں جاؤ یہ دوا جادو کی سوئیوں کے اثر کو فوراً دور کردے گی، شہناز نے دوا لے کر فقیر کا شکریہ ادا کیا اور جوگن کا بھیس بدل کر بہارستان کی طرف روانہ ہوگئی، بہارستان میں کسی بھی غیر ملکی کو داخل ہونے کی اجازت نہیں تھی لہذا شہناز جب وہاں پہنچی تو فوراً گرفتار کرکے بادشاہ کے حضور میں پیش کردی گئی۔ بادشاہ نے شہناز سے پوچھا۔ اے جوگن تو یہاں کیوں آئی ہے کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ ہمارے ملک میں جو بھی قدم رکھتا ہے ہم اس کو قتل کرادیتے ہیں، شہناز نے نہایت ادب سے سر جھکا کر جواب دیا۔ بادشاہ سلامت!

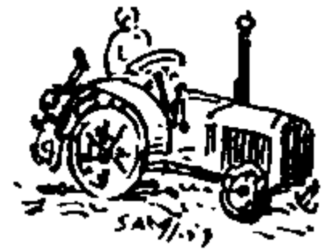
جو کچھ آپ نے فرمایا وہ درست اور بجا ہے، لیکن میں نے سنا ہے کہ شہزادۂ بہارستان بہت بیمار ہیں، میں شہزادے کا علاج کرنے کے لیے حاضر ہوئی ہوں، بادشاہ یہ سن کر ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولا! جوگن تم اس کا کیا علاج کر سکتی ہو، سیکڑوں حکیم اس کا علاج کر چکے ہیں مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ شہناز بولی۔ آپ مجھے اگر شہزادے کے علاج کی اجازت دیدیں تو آپ یقین فرمائیں کہ وہ ضرور صحت یاب ہوجائیگا یہ سن کر بادشاہ نے شہناز کو شہزادہ کے پاس پہنچوا دیا۔ اس وقت شہزادہ بے ہوش پڑا تھا، اور اتنا کمزور اور لاغر ہوگیا تھا کہ پہچاننا مشکل ہوگیا تھا شہزادہ کی یہ صورت دیکھ کر شہناز کا دل بھر آیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے وہ کچھ دیر تو روتی رہی پھر اس فقیر کی دی ہوئی دوا سے علاج شروع کیا، دوا نے فوری اثر دکھایا اور جادو کی سوئیاں شہزادہ کے بدن سے باہر نکلنا شروع ہوگئیں اور اس کی حالت سنبھلنے لگی، دو ہی روز بعد شہزادے نے آنکھیں کھول دیں، اس وقت شہناز پھولی نہ سمائی، اس نے فقیر کے بتائے ہوئے طریقہ سے علاج جاری رکھا، چند ہی دنوں میں شہزادہ بالکل تن درست ہوگیا، شہزادے کے صحت پاتے ہی تمام بہارستان میں خوشیاں منائی گئیں، اور شہزادہ کے غسل صحت کے دن بادشاہ نے دربار عام میں شہناز کو اس کا منہ مانگا انعام دینے کے لیے طلب کیا، بادشاہ تخت پر رونق افروز تھا اور اس کے برابر شہزادہ بیٹھا تھا، شہناز دربار میں پہنچ کر مجرہ ادا کرکے ادب سے کھڑی ہوگئی، بادشاہ اس کی طرف مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔ جوگن ہم تم سے بہت خوش ہیں مانگو کیا مانگتی ہو۔ شہناز بولی حضور، گستاخی معاف، مجھ کو یقین نہیں آتا کہ جو کچھ میں مانگوں گی وہ مجھ کو مل جائے گا۔ بادشاہ بولا۔ جوگن تم کو معلوم ہے کہ ہم بادشاہ ہیں اور بادشاہ کبھی جھوٹ نہیں بولتے تم یقین کرو کہ اگر تم ہماری جان بھی مانگو گی تو ہم اپنا وعدہ پورا کریں گے، شہناز بولی۔ حضور! مجھ کو انعام میں شہزادہ ہی چاہیے۔ یہ سن کر بادشاہ بھی چونکا اور شہزادہ بھی حیران ہوا، بادشاہ بولا۔ جوگن تم نے انعام بہت قیمتی مانگا ہے، مگر ہمارا وعدہ جھوٹا نہیں تھا لہٰذا تمھارا منہ مانگا انعام تم کو دیا جاتا ہے۔

بادشاہ کا یہ فیصلہ سن کر شہزادہ بہت گھبرایا اور کھڑے ہو کر کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ شہناز اپنے جسم سے جوگن کا لباس وغیرہ علیحدہ کرتے ہوئے بولی۔ شہزادے آپ پریشان نہ ہوں اور مجھ کو پہچاننے کی کوشش کریں، شہزادے نے اب جو اس کی طرف دیکھا تو چلّا کر بولا۔ شہزادی شہناز! تم! بادشاہ حیرت سے ان دونوں کو دیکھتے ہوئے بولا، جلد بتاؤ یہ کیا راز ہے؟ شہناز نے پورا واقعہ بادشاہ کو سنا دیا۔ جس کو سن کر بادشاہ ہنستے ہوئے بولا انعام تمھیں نہیں ملا۔ بلکہ الٹا انعام مجھ کو ہی مل گیا یعنی تم جیسی خوب صورت اور نیک بہو مل گئی، یہ سن کر شہناز تو شرما گئی اور شہزادہ نیچی نظریں کرکے مسکرانے لگا، بادشاہ نے فوراً ان کی شادی کے اہتمام اور انتظام کا حکم دیا اور اسی دن نہایت شان وشوکت کے ساتھ ان دونوں کی شادی ہوگئی۔!



سائنس کی باتیں





(حامداللہ افسر)

سائنس کے متعلق یہ سلسلۂ مضامین شروع کیا جا رہا ہے۔ ہمارے چاروں طرف جو چیزیں ہیں ان کے متعلق سائنسی باتوں کو آسان زبان میں بیان کیا جائے گا۔ ان مضامین کے پڑھنے سے نونہالوں کو سائنس سے دلچسپی پیدا ہوگی اور آئندہ سائنس کی تعلیم میں مدد ملے گی۔
اس عنوان کے تحت ہر مضمون علیحدہ علیحدہ چیزوں پر ہوگا۔ (ایڈیٹر)

ہمارے اردگرد کی چیزیں

تم اپنے اردگرد شہروں میں بھی اور دیہات میں بھی طرح طرح کی چیزیں دیکھتے ہو، انجن اپنے کاموں میں مصروف نظر آتے ہیں، کچھ چلتے پھرتے انجن ہیں جو ریل گاڑیوں کو لیے لیے پھر رہے ہیں، کچھ ایک جگہ گڑے ہوئے ہیں اور مشینیں چلا رہے ہیں، کچھ انجن بجلی تیار کر رہے ہیں، کچھ کپڑا بننے کی مشینیں چلا رہے ہیں یا اور طرح طرح کے کام کر رہے ہیں۔

کچھ لوگ زمین سے کچی دھاتیں نکالنے میں مصروف ہیں، جو فولاد زمین سے حاصل کیا جاتا ہے اس سے پل اور عمارتیں اور جہاز بنائے جاتے ہیں، کچھ اور لوگ فوٹو لے رہے ہیں، کچھ قسم قسم کے رنگ بنا رہے ہیں۔

دیہات میں لوگ کاشتکاری میں مصروف ہیں اور ہم سب کی خوراک

کے لیے اناج پیدا کر رہے ہیں اور باغوں میں پھل پیدا کر رہے ہیں۔
ہر شخص جو اپنے اِردگرد کی چیزوں کا مشاہدہ کرتا رہتا ہے جانتا ہے کہ گو انسان بہت ہوشیاری اور دانائی کے ساتھ چیزیں بنا رہا ہے پھر بھی قدرت انسان سے بدرجہا زیادہ حیرت انگیز کام انجام دیتی ہے۔ ہر کھیت میں اور ہر تالاب میں طرح طرح کی زندگیاں نشوونما پاتی ہوئی نظر آتی ہیں، کیڑے مکوڑے ہیں، قسم قسم کے جانور ہیں، پودے ہیں۔

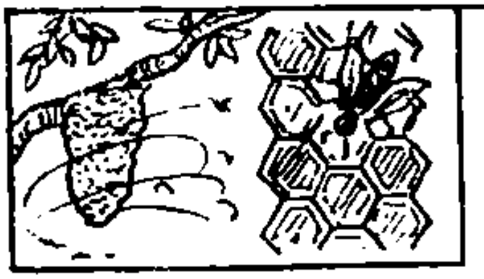


تتریاں اپنے رینگتے ہوئے پہلے روپ سے ظہور میں آتی ہیں پودے ننھے ننھے بیجوں سے پیدا ہوتے ہیں۔ گو دیکھنے میں اکثر بیج ایک سے معلوم ہوتے ہیں لیکن اگر بیجوں کو غور سے دیکھو تو مختلف پودوں کے بیجوں میں کافی فرق پاؤ گے، ہر بیج میں کچھ مخفی قوتیں کام کر رہی ہیں اور یہی قوتیں ایک خاص قسم کا ڈنٹھل اور خاص قسم کے پتے ظہور میں لاتی ہیں۔

انسان زمین کے ایک قطعہ میں گھاس پھونس کے بجائے گیہوں اُگا سکتا ہے لیکن وہ ایک بیج بھی بنا نہیں سکتا، نہ بیج سے اپنی مرضی کے مطابق درخت اگا سکتا ہے، وہ صرف بیج کی نشوونما کے لیے پانی اور زمین اور روشنی مہیا کر سکتا ہے۔ کلّے نکلنے کونپلیں پھوٹنے، بڑھنے، ڈنٹھل پیدا کرنے، پھول اور پھل پیدا کرنے اور پھر نئے بیج بنانے کے سلسلے میں بیج جو کچھ خود کرتا ہے وہ ہمارے انجنوں کے کاموں سے بہت زیادہ عجیب اور حیرت انگیز ہے اور اس کا سمجھنا بہت زیادہ مشکل ہے گو ہمیں کچھ قاعدے اور ضابطے معلوم ہو گئے ہیں جن کی پابندی بیج اور پودے کرتے ہیں۔

کچھ اور بھی قدرتی چیزیں ہیں جو برابر ظہور میں آتی رہتی ہیں مثلاً ساحل پر مدوجزر یا جوار بھاٹا ہے۔ مختلف موسم ہیں گرمی ہے، جاڑا ہے، بہار ہے، خزاں ہے یہ سب نہایت باقاعدگی کے ساتھ سال بہ سال آتے جاتے رہتے ہیں، ہر موسم اپنے ساتھ اپنے مخصوص پودے اور مخصوص کیڑے مکوڑے لاتا ہے۔

پودے اپنے پھولوں میں میٹھا رس یا نیکٹر پیدا کرتے ہیں شہد کی مکھیاں ان پھولوں پر آکر بیٹھتی ہیں، اس میٹھے رس کو وہ پھولوں میں سے



نکال کر لے جاتی ہیں اور اس کا شہد بناتی ہیں اور اسے اپنے چھتّوں میں جمع کرتی ہیں، یہ شہد کی مکھیاں خود اپنے جسموں میں سے موم پیدا کرتی ہیں، اس موم سے وہ اپنے چھتّوں میں خلئے بناتی ہیں ان میں وہ شہد جمع کرتی ہیں اور ان سے اپنے پہلے روپوں کے لیے پرورش گاہ کا کام لیتی ہیں۔

پھر جو کچھ زمین پر ہو رہا ہے ساری عجیب چیزیں اسی کے اندر محدود نہیں ہیں، ہر وہ شخص جس نے تاروں بھری رات کو دیکھا ہے اچھی طرح جانتا ہے کہ ہماری مشینوں کے کام کیسے ہی حیرت انگیز کیوں نہ ہوں ان میں ایسی شان نہیں ہے جیسی آسمان پر ستاروں کی رفتار میں ہے اور جیسی روز رات کو چاند کے روپ بدلنے میں ہے۔

عام طور پر جب لوگ آسمان پر رات کے وقت نظر ڈالتے ہیں تو انھیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے تارے چھٹکے ہوئے ہیں جو سب ایک سے ہیں اور ہر رات کو ان کی ترتیب بدل جاتی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ مختلف تاروں کی روشنی مختلف ہوتی ہے، کسی تارے میں کم روشنی ہوتی ہے کسی میں زیادہ اور ان کی ترتیب ہمیشہ ایک سی رہتی ہے، اسی لیے کسی خاص ستارے یا ستاروں کے مجموعے کو ڈھونڈنا زیادہ مشکل نہیں ہوتا، جب کسی رات کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کم ستارے نکلے ہیں تو اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ کہرے وغیرہ کی وجہ سے کم روشنی والے ستارے آنکھوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں، ستارے برابر موجود رہتے ہیں رات میں بھی اور دن میں بھی، دن میں سورج کی تیز روشنی کی وجہ سے کم روشنی والے ستارے نظر نہیں آتے۔

یہ چیزیں اور اسی قسم کی اور سیکڑوں چیزیں جن کو لوگ عموماً توجہ سے نہیں دیکھتے انسان کی مدد کے بغیر ظاہر ہوتی رہتی ہیں۔

عیدِ قرباں

عبدُالغنی شمس



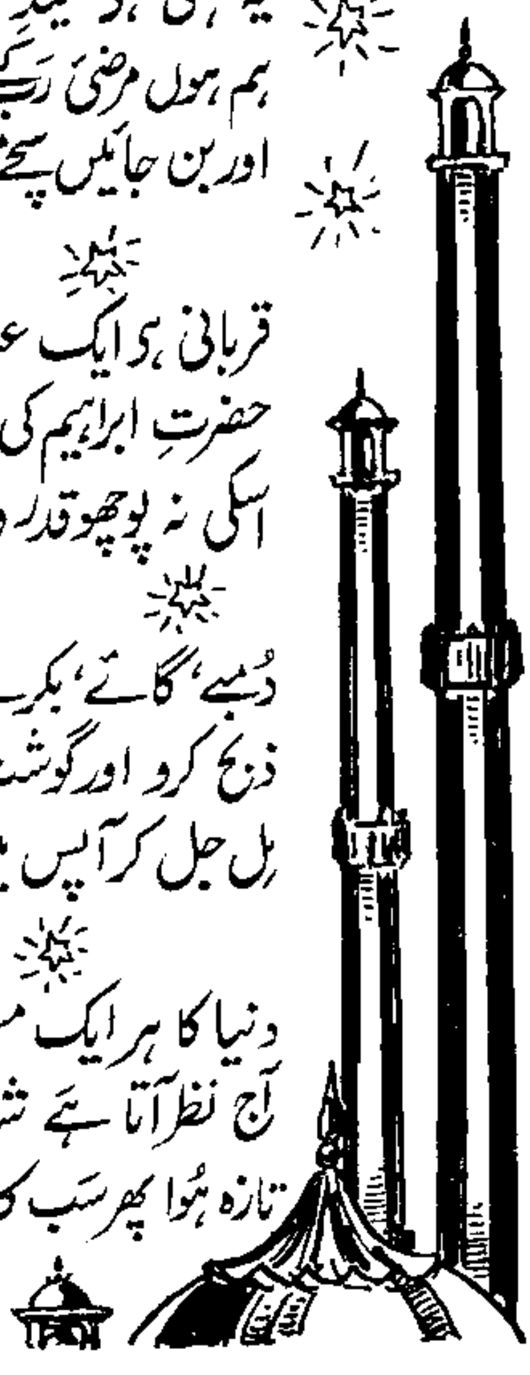
آئی آئی عیدِ قرباں

یہ کہتی ہے عیدِ قرباں
ہم ہوں مرضیٔ رب کے خواہاں
اور بن جائیں سچے مسلماں
آئی آئی عیدِ قرباں

قربانی ہے ایک عبادت
حضرتِ ابراہیم کی سنّت
اسکی نہ پوچھو قدر و قیمت
آئی آئی عیدِ قرباں

دُنبے، گائے، بکرے لاؤ
ذبح کرو اور گوشت پکاؤ
مِل جل کر آپس میں کھاؤ
آئی آئی عیدِ قرباں

دنیا کا ہر ایک مسلماں
آج نظر آتا ہے شاداں
تازہ ہُوا پھر سب کا ایماں
آئی آئی عیدِ قرباں





آغا صاحب پیدا تو ہوئے تھے شاعرانہ مزاج لے کر لیکن قسمت نے بنا دیا تھانیدار۔ آغا صاحب جب تک شہر میں رہے انھیں سننے والے اور تعریف کرنے والے بہت سے لیکن اس وقت انھیں واقعی کوفت ہوئی جب شہر سے تبدیل ہوکر وہ ایک قصبے میں پہنچے۔

قصبے کی حالت یہ تھی کہ پڑھا لکھا آدمی وہاں کوئی تھا ہی نہیں۔ بات کرتے تو کس سے کرتے اور داد لیتے تو کیوں کر؟ ادھر حالت یہ تھی کہ آغا صاحب تحقیقات کر رہے ہیں کہ غزل ہوگئی! ملزموں سے پوچھ گچھ ہو رہی ہے کہ گنگنانے لگے۔ معلوم ہوا کہ جرم کا اقبال کرانے کے بجائے غزل لکھ رہے ہیں۔ دن میں دو ایک غزل ہوجانا تو کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ اب سوال یہ تھا کہ اپنا کلام سنائیں کیسے؟ کون سنے اور کون تعریف کرے؟۔

آغا صاحب بہت پریشان تھے ہر شاعر کی طرح آغا صاحب بھی یہی چاہتے تھے کہ وہ غزل سنائیں اور "واہ واہ" ہو۔ لیکن جب "واہ واہ" عنقا ہوگئی تو آخر ایک دن آغا صاحب آگئے تھانیداری کے رعب میں اور حولدار جو پرلے درجے کا جاہل تھا بلاکر کہا:

"حولدار!"

"حضور!"

"تم شعر سمجھ لیتے ہو؟"

حولدار نے گھبرا کر آغا صاحب کی طرف دیکھا اور کہا:

"حضور، یہ سیر قانون کی کوئی دفعہ ہے!؟"

آغا صاحب بگڑ گئے اور کہا:

"دیکھو جی کوئی ایسا آدمی تلاش کرو جو شعر سمجھ لیتا ہو۔ سمجھے؟"

"جی حضور!"

"ورنہ یاد رکھو کہ تمھیں شعر سننا پڑیں گے۔ سمجھنا پڑیں گے اور تعریف کرنا ہوگی۔"
حولدار کی سمجھ میں تو کچھ آیا نہیں لیکن کہنے لگا:
"بہت اچھا۔"

اب حولدار پریشان تھا کہ وہ ایسا آدمی لائے کہاں سے جو داروغہ جی کے بقول "سیر" سمجھ لے؟ اسکی یہی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ "سیر" ہوتی کیا بلا ہے؟ وہ یہی سوچتا رہا کہ قانون کی کسی دفعہ کو "سیر" کہتے ہوں گے۔ اس نے تو ۱۴ سال کی عمر سے پولیس میں نوکری کی تھی اور پولیس کی دفعائیں اسے یاد تھیں لیکن داروغہ جی جس "دفعہ" کا نام لے رہے تھے وہ تو اس نے کبھی سنی بھی نہیں تھی۔ اس لیے پریشان تھا اور یہ سمجھ رہا تھا کہ شاید کوئی نیا قانون منظور ہوا ہو جس کی اسے خبر نہ ہو؟

اب وہ پریشان تھا کہ کوئی آدمی کھود کر نکالے۔ شام کو وہ قصبے کے چھوٹے سے بازار میں دو کانسٹیبلوں کے ساتھ نکلا اور ہر ایک سے پوچھنے لگا کہ "تم سیر سمجھ لیتے ہو؟" قصبے میں ہندوؤں کی آبادی تھی اور وہ بھی سب جاہل تھے۔ وہ جواب میں کہتے:
"حولدار صاحب! سیر ہوت کا ہے؟"

وہ خود ہی نہیں جانتا تھا بھلا بتاتا کیا؟ نتیجہ یہ نکلا کہ داروغہ جی کے لیے کوئی ایسا آدمی نہ مل سکا جو "سیر" سمجھ لیتا؟ حالاں کہ حولدار نے کوشش تو پوری کی تھی۔ وہ چاہتا بھی تھا کہ داروغہ جی کو خوش کرے۔ کیوں کہ داروغہ جی اگر ناراض ہو گئے تو آمدنی الگ جانے کا ڈر تھا اور تبادلہ بھی ہو سکتا تھا۔ لیکن حولدار مجبور تھا۔ کرتا تو کیا کرتا؟ اسی فکر میں کئی دن بیت گئے لیکن اسے "سیر" سمجھنے والا کوئی نہ ملا۔

آخر ایک دن آغا صاحب نے پوچھا:
"حولدار کوئی آدمی ملا؟"
"حضور کوئی آدمی نہیں ملا۔"
"کوئی نہیں ملا!" آغا صاحب نے حیرت سے پوچھا اور کہا: "تب تم کو شعر سننا پڑیں گے اور تعریف کرنا ہوگی۔"

یہ کہہ کر آغا صاحب نے اپنی تازہ غزل کا ایک شعر پڑھا تو حولدار نے ہنستے ہوئے کہا:
"اچھا گانے کو سیر کہتے ہیں!"
آغا صاحب لے کے ساتھ شعر پڑھ رہے تھے اور حولدار کہہ رہا تھا:
"واہ حضور وا! بھگوان نے آپ کو کیا گلا دیا ہے؟"

تعریف کی شرط تو پوری ہوگئی لیکن آغا صاحب کو لطف نہیں آیا۔ وہ چاہتے تھے کہ شعر و ادب کی تعریف ہو اور وہاں حولدار گلے کی تعریف کر رہا تھا۔ خوشی کیسے ہوتی الٹے آغا صاحب کو کوفت ہوئی۔

لیکن مجبوری تھی کرتے بھی تو کیا کرتے۔ چپ ہو رہے اور اپنی قسمت کا دل ہی دل میں شکوہ کرنے لگے۔

کچھ دنوں کے بعد حولدار ایک سفید پوش کو لے کر تھانے آیا۔ شام کا وقت تھا، آغا صاحب آرام کرسی پر لیٹے حقہ پی رہے تھے اور نئی غزل کی فکر میں تھے کہ شیروانی والے ایک صاحب کو آتے دیکھا تو اچھل پڑے۔ انھیں یقین ہوگیا کہ شیروانی والے صاحب ضرور شعر سمجھتے ہوں گے۔

شیروانی پوش کو یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ تھانیدار ان کے استقبال کے لیے کھڑا ہوگیا ہے۔ پولیس والے اور با اخلاق ہوں۔ یہ تو اس نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ آغا صاحب نے نو وارد کو عزت سے قریب بٹھایا۔ نام پوچھا تو جواب ملا:

"مجھے نفیس کہتے ہیں!"

"بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔ یہاں کیسے آنا ہوا؟"

"میں نے جنگل کا ٹھیکہ لیا ہے۔ اسی سلسلے میں آیا تھا۔"

"خیر تشریف رکھیے۔ ناشتہ کیجیے۔"

اور اسی کے ساتھ آغا صاحب نے حولدار سے ناشتہ لانے کے لیے کہا۔ نفیس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ داروغہ جی یہ خاطر کیوں کر رہے ہیں؟ کہ آغا صاحب نے پوچھا:

"نفیس صاحب! شعر و شاعری سے تو آپ کو دلچسپی ہوگی؟"

"خود شاعر تو نہیں ہوں لیکن ..... !"

"سخن فہم ہوں گے۔ چلیے اتنا بھی کافی ہے ـــــ لیجیے ایک غزل پیش کرتا ہوں۔"

"بسم اللہ!"

آغا صاحب نے غزل سنائی۔ نفیس ہر ہر شعر پر دس دس منٹ تک تعریف کرتا رہا اور وہ بھی بڑے سلیقے سے کہ آغا صاحب کو لطف آگیا۔ انھوں نے بغیر سانس لیے کئی غزلیں سنا دیں۔ نفیس تعریف بھی کرتا جاتا اور جھومتا بھی جاتا تھا۔ ناشتہ آگیا۔ ناشتہ کے دوران میں بھی آغا صاحب غزلیں سناتے رہے۔ آخر ناشتہ کے بعد نفیس نے کہا:

"داروغہ جی! اب اجازت دیجیے آخری بس شہر جا رہی ہے۔"

"واہ صاحب! آج آپ ہمارے مہمان ہیں صبح تشریف لے جائیے گا۔"

مجبوراً نفیس کو داروغہ جی کی بات ماننی پڑی۔ وہ ڈرا کہ معلوم نہیں انکار کا انجام کیا ہو؟ خاموش ہوگیا۔ گیارہ بجے رات کو کھانا ہوا۔ اس وقت تک بیسیوں غزلیں آغا صاحب نے سنا دیں۔ کھانے کے ساتھ ساتھ اور پھر بعد میں بھی غزلوں کا سلسلہ بند نہیں ہوا یہاں تک کہ رات کے دو بج گئے اور نفیس نے جماہی لی تو آغا صاحب نے حکم دیا:

"آپ کے لیے چائے لاؤ۔"

چائے پلاکر داروغہ جی پھر جُٹ گئے، اور غزلیں سنانے لگے۔ یہاں تک کہ خود نفیس تعریف کرتے کرتے تھک گیا اور کہنے لگا:

"آغا صاحب اب آرام کریجیے۔"

"ارے صاحب! آپ کہاں ملیں گے؟"

پھر غزلوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ یہاں تک کہ پو پھٹنے لگی تو نفیس نے کہا:

"آغا صاحب! اب مجھے اجازت دیں۔"

"واہ بغیر ناشتہ کیے آپ کیسے جائیں گے؟"

یہ سن کر نفیس کا دم نکل گیا۔ کیوں کہ یہاں رُکنے کے یہ معنیٰ تھے کہ اور غزلیں سننا پڑیں گی اور تعریف کرنا پڑے گی۔

ناشتہ کے بعد جب نفیس نے اجازت چاہی تو داروغہ جی نے یہ کہہ کر خاموش کر دیا کہ شام کو جائیے گا۔ اس بار نفیس نے ہمّت کی اور انکار کیا تو آغا صاحب نے اصرار کیا۔ مجبور ہوکر نفیس کو پھر چپ ہو جانا پڑا کہ پولیس کی بات ہے۔ اس کا تو یہاں اب آنا جانا ہوگا اگر آغا صاحب کو ناراض کرنا ہے تو دس قصے پیدا ہو سکتے ہیں۔

غرض شام تک نفیس کو آغا صاحب کے شعروں کی تعریف ہی کرتے بن پڑی۔ شام کو یہ کہہ کر آغا صاحب نے روک لیا کہ صبح پہلی بس سے ٹھنڈے ٹھنڈے چلے جائیے گا۔

رات گزر گئی لیکن آغا صاحب کی غزلیں ختم نہیں ہوئیں۔ دوسری صبح کو نفیس نے طے کرلیا کہ جو کچھ ہو وہ اب نہیں ٹھہرے گا۔ کہنے لگا:

"داروغہ جی! آج میری پیشی ہے مجھے شہر جانا ہے۔"

آغا صاحب نے ہنستے ہوئے کہا:

"پیشی میں تاریخ ہو جائے گی اور کیا ہوگا؟"

"بہت ضروری پیشی ہے۔"

"چھوڑیے بھی۔ ایک چھوٹی بحر کی غزل سنیے۔"

لیکن نفیس نے فوراً کہا:

"داروغہ جی! میرا بچّہ بھی بیمار ہے۔ معلوم نہیں کیسا ہے۔ مجھے جانے دیجیے۔"

"خدا کرے گا تو اچھا ہوگیا ہوگا۔ آپ فکر نہ کریں۔"

"داروغہ جی!" نفیس نے ہمّت کی اور کہا: "معاف کیجیے گا اب میں ٹھہر نہیں سکتا۔"

آغا صاحب نے گھور کر نفیس کو دیکھا اور پوچھا:
"آپ دو ایک گھنٹے بھی نہیں رک سکتے؟"
"جی نہیں. مجبور ہوں"۔
"میری تازہ غزل تو سن لیجیے"۔
"اب کے آکر سنوں گا۔ مجھے معاف کیجیے"۔
آغا صاحب نے نفیس کو دیکھا پھر آواز دی:
"حولدار ــــ حولدار ــــ!"
حولدار بھاگتا ہوا آیا اور آتے ہی پوچھا:
"کیا حکم ہے؟"
"دیکھو حولدار!" آغا صاحب بولے: "نفیس کو حوالات میں بند کر دو ــــ!"
حولدار نے گھبرا کر نفیس کو دیکھا تو آغا صاحب نے غصے سے کہا:
"جو میں کہوں وہی کرو"
حولدار مجبور تھا۔ داروغہ جی کا حکم تھا۔ ٹال کیسے سکتا تھا۔ اس نے نفیس کا ہاتھ پکڑا اور حوالات میں بند کر دیا۔ جب حوالات کا تالا بند ہوگیا تو آغا صاحب نے کہا:
"دروازے کے سامنے آرام کرسی ڈال دو"۔
فوراً آرام کرسی حوالات کے دروازے کے سامنے ڈال دی گئی۔ آغا صاحب نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا:
"کہو میاں نفیس! اب تو سنو گے غزل ــــ؟"
نفیس سر جھکائے حوالات میں بیٹھا یہ سوچ رہا تھا کہ کونسی منحوس گھڑی تھی جب یہاں آیا تھا۔ اور دل ہی دل میں کہہ رہا تھا کہ آزاد ہونے کے بعد وہ کبھی ادھر کا رُخ دوبارہ نہیں کرے گا لیکن اس وقت تو وہ مجبور ضرور تھا کہ نہ صرف آغا صاحب کی غزل سنے بلکہ دل کھول کر تعریف بھی کرے تاکہ آغا صاحب کا نہ صرف کھانا ہی ہضم ہو بلکہ ساتھ ہی ساتھ خون بھی بڑھے ــــ!!



ناروے ایک پہاڑی سلسلہ پر آباد ہے، سارا ملک پہاڑوں کے ڈھلان پر بسا ہوا ہے، ناروے کے بچّے برف پر چلنے کی کھڑاؤں یا اسکیٹ پہن کر پھسلنا بہت پسند کرتے ہیں، پیروں میں لمبے لمبے اسکیٹ لگا کر وہ برف کی سطح کو چھوتے ہوئے بڑی تیزی سے گزرتے ہیں، اتنی تیزی سے کہ ریل بھی اتنی تیزی سے نہیں چلتی، ان اسکیٹوں کی مدد سے وہ اکثر دریاؤں کے اوپر سے پھاند جاتے ہیں۔

جاڑوں میں اکثر اسکیٹنگ کے مقابلے ہوتے ہیں اور ناروے کے سب حصّوں سے بچّے ان مقابلوں میں شرکت کے لیے آتے ہیں، کچھ لڑکے دور کے شمالی حصّوں سے بھی آتے ہیں، یہ شمالی حصّے آدھی رات کے سورج کی سرزمین کہلاتے ہیں، وہاں گرمی کے موسم میں لگاتار دو مہینے تک سورج غروب نہیں ہوتا اور پھر جاڑے میں لگاتار دو مہینے تک سورج نمودار نہیں ہوتا، اور ایک طویل تیرہ وتار رات جاری رہتی ہے، ان اونچے اونچے پہاڑوں پر یہ سنسان اور ویران رات بڑی ہیبت ناک معلوم ہوتی ہے، وہاں کے سب سے اونچے پہاڑ "جائنٹس ہوم" یا دیو کا گھر کہلاتے ہیں اور ناروے کے لڑکے اور لڑکیاں آج بھی ان دیووں کی کہانیاں کہا کرتے ہیں جو کبھی ان پہاڑوں میں رہتے تھے۔

ناروے کے باشندے عموماً بہت تن درست اور توانا ہوتے ہیں، پرانے زمانے میں ناروے کے بحری ڈاکو دور دور تک سمندروں میں نکل جاتے تھے اور جہازوں کو لوٹ لیتے تھے، اب وہ

بات تو نہیں رہی ہے لیکن آج کل بھی وہ لوگ بڑے دلیر اور بے باک ملاح اور جہاز ران ہوتے ہیں، ان کے لیے خشک زمین اور سمندر دونوں یکساں ہیں جس طرح وہ زمین پر خوش رہتے ہیں اسی طرح سمندر میں بھی خوش رہتے ہیں، پچھلی صدی کے آخر تک وہ لوگ "بحری بھیڑیے" کہلاتے تھے۔ اور دوسرے ملکوں کے لوگ ان کے جہازوں سے خوف زدہ رہتے تھے،

اُس زمانے میں ناروے کے لڑکے پڑھتے نہیں تھے، مگر اسی زمانے کا ایک شہزادہ تھا "ہیرولڈ" اس نے بڑے اچھے اچھے گیت لکھے اور بربط بجانا سیکھا، بربط ایک قسم کا ستار ہوتا ہے، شہزادہ ہیرولڈ جب صرف دس ہی برس کا تھا تو اس نے شکار کھیلنا اور پیرنا سیکھ لیا تھا۔ اور وہ نیزہ چلانا اور کشتی بنانا بھی جانتا تھا۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ اس نے ایک چٹان کے اوپر ایک "ایش" کا درخت دیکھا، اُسے خیال آیا اس سے میرے نیزے کا دستہ بن سکتا ہے۔

یہ سوچتے ہی اس نے اپنی برف پر چلنے کی کھڑاؤں کو علیحدہ رکھا اور ہاتھ اور گھٹنے ٹیکتا ہوا چٹان پر چڑھ گیا کانٹوں سے اس کا کرتہ پھٹ گیا اور اس کے ہاتھ چھل گئے لیکن ہیرولڈ نے اس کی پروا نہیں کی، اوپر پہنچ کر اس نے ایش کا درخت کاٹ لیا اور اُسے چٹان کے نیچے پھینک دیا اور خود ہاتھوں اور گھٹنوں کے سہارے نیچے اتر آیا۔ عین اس وقت جب وہ اپنی برف پر چلنے کی کھڑاؤں پہن رہا تھا، اس نے اپنی پشت پر غرّانے کی آواز سنی جیسے ہی وہ پلٹ کر دیکھنے والا تھا ایک بھیڑیئے نے اچانک اُس پر حملہ کردیا، بھیڑیئے نے اس کے بازو پر کاٹ لیا اس نے فوراً اپنی پیٹی سے اپنی قرولی نکالی اور پوری قوت سے بھیڑیے کی گردن میں بھونک دی، بھیڑیے نے ایک چیخ ماری اور گر کر مرگیا۔ اس کے بعد وہ ایش کے درخت کو لے کر سیدھا لوہار کی دوکان پر پہنچا تاکہ دستہ بنوالے،

لوہار نے لکڑی کو بہت پسند کیا لیکن اس کے بازو کو دیکھ کر بولا "یہ کیا ہوا، تمھارے بازو سے خون کیسا بہ رہا ہے؟" ہیرولڈ نے کہا۔ "بھیڑیئے نے کھرونچا مار دیا ہے، کسی دن میں اس سے بہتر اور بڑے زخم کھاؤں گا!"

جب ہیرولڈ بڑا ہوا تو اس نے بہت سی جنگیں سَر کیں اور ناروے کے سب بڑے بادشاہوں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔



اونٹ



(عروس زہرا)

سڑک پہ کلوا نے کیا دیکھا
دہی کا پیالہ ہاتھ سے پھینکا
گھبرا کر دوکاں پہ چڑھا ہے
ڈر کے مارے کانپ رہا ہے

چوپایہ کوٹھے سے اونچا
موڑ سے مڑ کر سڑک پہ آیا
ٹانگیں اس کی لمبی لمبی
گردن ہے بالکل بے ڈھنگی

رنگ ہے بالکل ہی مٹیالا
ہے پیروں کا ڈھنگ نرالا
بال ملائم گھونگر والے
بالکل جیسے روئی کے گالے

ہلکے ہلکے منہ کو چلاتا
جیسے کوئی پان چباتا
اوپر کا تو ہونٹ پھٹا ہے
ناک میں جانے یہ کیا پڑا ہے

جس میں لمبی رسی ڈوری ہے
اس کے مالک نے جوڑی ہے
ڈوری مالک ہاتھ میں لے کر
کھینچ رہا ہے "رخ رخ" کہہ کر

جنگل سے یہ جھومتا آیا
گھاس اور لکڑی لاد کے لایا

چال بھی اسکی ٹیڑھی میڑھی
کون سی کل اسکی ہے سیدھی
کلوا کو اب کون بتائے
اور یہ پہیلی کون بجھائے





اچھے رہو

تن درستی ہزار نعمت ہے۔

تم نے یہ مصرع ضرور سنا ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی دوسری تمام نعمتیں تمھارے پاس موجود ہوں مگر صحت یا تن درستی نہ ہو تو انسان خوش نہیں رہ سکتا اور بیماری اسے کسی کام کا نہیں رکھتی۔

تم نے دیکھا ہوگا کہ جب لوگ بیمار ہو جاتے ہیں تو کوئی کام نہ کر سکتے۔ یا تو چُپ چاپ پڑے رہتے یا درد سے کراہتے اور آہ آہ کرتے رہتے ہیں۔ ان کے چہرے پر خوشی کی مسکراہٹ نظر نہیں آتی۔ طبیعت چڑچڑی ہو جاتی ہے۔ عزیز، دوست اور تیمار دار اپنے کام چھوڑ کر آتے ہیں۔ ان سے ہمدردی اور محبت کے ساتھ پیش آتے اور ان کا دل بہلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر بیمار کو نہ کھانا پینا پسند آتا ہے اور نہ ان لوگوں کی میٹھی میٹھی باتیں۔ وہ تو الٹا بات بات پر سب سے جھگڑتے اور زندگی سے بیزار نظر آتے ہیں۔

جانتے ہو اس طرح بیمار اور اس کے ساتھ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس کے عزیزوں، دوستوں، تیمارداروں اور ملک کا کتنا نقصان ہوتا ہے؟

فرض کرو ایک انجینیر بیمار ہو گیا۔ انجینیر پل بھی بناتے ہیں اور عمارتیں بھی۔ ہوائی جہاز بھی ان کے بغیر نہیں بن سکتے اور بڑے بڑے کارخانوں کی مشینری بھی۔

اگر تمھارے انجینیر صاحب عمارتوں اور پلوں کے انجینیر ہیں تو ان کی بیماری سے ان تمام مکانوں کی تعمیر رک جائے گی جنھیں وہ بنا رہے تھے، مثلاً مدرسے اور دواخانے۔ ان کے ماتحتوں کو وہ تمام طریقے نہیں معلوم ہوتے جن کے ذریعہ عمارتیں مضبوط اور اچھی بنتی ہیں۔ اگر انجینیری سے ناواقف لوگ من مانے طریقے سے عمارت بنائیں تو عمارت مضبوط نہیں ہوتی اور ہر وقت اس کے گرنے اور لوگوں کے دب کر مر جانے کا خوف رہتا ہے۔ اسی طرح اگر پل بنانے میں ذرا سی غلطی رہ جائے تو پل کم زور ہو جاتا اور پانی کے ایک ہلکے سے ریلے میں بہ جاتا ہے۔ اگر اس پل پر سے ریلیں جاتی ہیں تو ریل گر پڑتی ہے اور لاکھوں رُپے کا جانی اور مالی نقصان ہو جاتا ہے۔

اسی طرح کے اور بھی بہت سے نقصانات ہوتے ہیں مثلاً اگر کوئی بیمار ہو جائے تو آمدنی رک جاتی ہے اور جب علاج پر سارا رُپیہ خرچ ہو جاتا ہے تو سب گھر والوں کو تکلیف ہوتی اور بعض مرتبہ فاقوں تک نوبت آجاتی ہے۔

اگر کوئی بیمار ہوتا ہے تو گھر کے لوگوں کو اس کی تیمار داری یعنی دیکھ بھال کرنا پڑتی ہے اس طرح ان کا بہت سا قیمتی وقت جو کسی اچھے کام میں صرف کیا جا سکتا تھا، ضائع ہو جاتا ہے۔ اس طرح خاندان میں بیمار کی وہی حالت ہوتی ہے جو کسی بڑی مشین میں کسی خراب پرزے کی۔ تمھیں معلوم ہوگا کہ اگر کسی بڑی سی مشین کا ایک ننھا سا پیچ یا اسکریو گھس کر خراب ہو جائے تو ساری مشین رک جاتی ہے بہت سے مزدور بے کار ہو جاتے ہیں اور مال بننا بند ہو جاتا ہے اور صرف لوگوں ہی کا نہیں بلکہ پورے ملک اور قوم کا نقصان ہوتا ہے۔ اس لیے ہم سب کا فرض ہے کہ ایسے طریقے اختیار کریں جن کے سبب سے نہ ہم خود بیمار ہوں اور نہ دوسروں کو بیمار پڑنے دیں۔

مگر تم کہو گے "بھلا ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ روگ اور بیماری تو زندگی کے ساتھ ہیں!"

تمھارا یہ خیال ایک حد تک ٹھیک ہے اور ایک حد تک غلط۔"مگر وہ کس طرح؟"

وہ اس طرح کہ اگرچہ ابھی تک انسان کو موت پر فتح حاصل نہیں ہوئی ہے لیکن اتنا تو ضرور ہو سکتا ہے کہ بیماریوں کو روک دیا جائے چناں چہ دنیا میں کئی ملک ایسے ہیں جہاں بیماریوں کو روک کر انسانی زندگی کا اوسط ستر سال تک پہنچا دیا گیا ہے حالاں کہ ہمارے ملک میں زندگی کا اوسط صرف چوبیس سال ہے!

مگر ایسا کیوں ہے؟ اس کے بارے میں مطالعہ کرو تو معلوم ہوگا کہ ان ملکوں میں لوگوں نے علم حاصل کیا۔ ہر ایک کے لیے لکھنا پڑھنا سیکھنے کا انتظام کیا۔ پھر وہاں کے قابل لوگوں نے بیماریوں کے سبب اور ان کے علاج معلوم کیے یعنی دماغ سے کام لیا۔ اس طرح بہت سی بیماریوں مثلاً چیچک، ہیضہ اور طاعون کا نام و نشان مٹا دیا۔ یہی معاملہ دوسری بیماریوں کو دور کرنے میں پیش آیا۔ چناں چہ اب وہ اچھی صحت قائم رکھنے کے اصولوں پر عمل کر کے صحت مند اور تن درست رہتے ہیں۔

ان کی اس کامیابی میں سب سے بڑا حصّہ دماغ کا ہے۔

یاد رکھو دماغ انسان کا سب سے بڑا خزانہ ہے۔ اسی کے ذریعہ وہ ساری مخلوق کا سردار بنا ہوا ہے اور اس کوشش میں ہے کہ ابھی تک اسے جن چیزوں پر قابو نہیں حاصل ہوا ہے، ان پر قابو حاصل کر لے پہلے وہ جانوروں کی طرح غاروں میں یا درختوں پر رہتا اور جنگلی جانوروں سے بھاگتا پھرتا تھا، پھر اس نے دماغ سے کام لیا اور جانوروں کو اپنے تابع کیا اور ان سے کام لینے لگا۔ پہلے وہ پانی میں گھسنے سے ڈرتا تھا پھر اس نے عقل سے کام لے کر کشتیاں اور جہاز بنائے۔ یہاں تک کہ اب وہ سمندروں میں اس طرح سیر کرتا اور ہوا میں اس طرح اڑتا ہے جیسے اپنے صحن میں سیر کر رہا ہے۔

اسی طرح اس نے اپنی عقل سے کام لے کر مٹی، پانی، آگ اور ہوا پر بڑی حد تک قابو پا لیا ہے۔ ان سے آگے

بڑھ کر چاند سورج اور ستاروں سے باتیں کر رہا ہے اور اسپٹنک اڑا کر اس کوشش میں ہے کہ مریخ میں جائے اور چاند کی سیر کرے۔

ہمارا زمانہ ایٹمی زمانہ ہے اور اس زمانے میں ایسی ایسی چیزیں ایجاد ہو رہی ہیں جن کے ذریعہ بہت ممکن کہ انسان دوسری دنیاؤں میں پہنچ کر زندگی کے ان رازوں کو معلوم کرلے جنھیں ابھی تک معلوم نہیں کر سکا ہے۔

غالباً اب تم اس بات کو اچھی طرح سمجھ گئے ہوگے کہ جب انسان لاکھوں میل کی بلندی پر اسپٹنک اور راکٹ پہنچا سکتا ہے تو کیا وہ بیماریوں پر قابو نہیں پا سکتا؟ تم کہو گے یقیناً جہاں اس قدر قابو پایا جا چکا ہے اور جو مرض پہلے لاعلاج سمجھے جاتے تھے اب دواؤں سے اچھے ہو جاتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ آئندہ چند برسوں میں اور زیادہ قابو حاصل ہو جائے اور بیماریاں سر نہ اٹھا سکیں۔

لیکن اس کے لیے انتھک محنت اور علم کی ضرورت ہے اور یہ ہم سب کا فرض ہے کہ اپنے ملک میں زیادہ سے زیادہ علم پھیلائیں اور اپنے ارد گرد کے حالات درست کریں، گندگی اور غلاظت کو دور کریں اور لوگوں کو حفظانِ صحت کے اصول بتائیں کیوں کہ جس طرح اچھے آموں یا سیبوں میں اگر ایک بھی سڑا ہوا پھل ہو تو سب پھل سڑ جاتے ہیں۔ اسی طرح بعض بیماریاں ایسی ہوتی ہیں جو ایک آدمی سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے تک جا کر بہت سے آدمیوں کو متاثر کر کے بیمار ڈال دیتی ہیں۔

یہی دیکھ کر انسان نے بیمار آدمیوں کو علیحدہ دواخانوں میں رکھنے کا انتظام کیا جہاں خاص طور سے دیکھ بھال کر کے دوائیں دی جاتی ہیں اور لوگ اچھے ہو کر اپنے گھروں کو واپس جاتے ہیں۔

اگر ہم کوئی ایسا طریقہ معلوم کرلیں جس سے آم یا سیب سڑیں ہی نہیں تو کیسا رہے؟

تم کہو گے کہ اس سے بہتر کیا ہے!

ٹھیک ہے۔ شاید تمھیں معلوم ہو کہ آج کل بہت سی چیزوں کو برف اور اسپرٹ میں رکھ کر انھیں بہت عرصے تک سڑنے سے بچا لیا جاتا ہے اور سائیبیریا میں برف کے نیچے سے کئی ہزار برس پہلے کے جانور نکلے ہیں جو بالکل نہیں سڑے۔ چناں چہ پھلوں کو محفوظ رکھنے کے نئے نئے طریقے معلوم کیے جا رہے ہیں جن میں کامیابیاں بھی ہو رہی ہیں اور انھیں سڑنے سے بچایا جا رہا ہے۔

اس لیے کوئی وجہ نہیں کہ آئندہ انسانی بدن کے ریشوں کو بھی مختلف طریقوں سے مدتوں تک سڑنے یا گلنے سے بچایا جا سکے اور انسان کی زندگی کا اوسط سو سال کے اوپر پہنچ جائے۔



گوشت اور چپاتی کی سچی کہانی

چپاتی کی زبانی

ہماری ملاقات ایک دسترخوان پر ہو رہی ہے، یہاں ہم دونوں کے علاوہ کوئی اور نہیں ہے، اچانک اور معمولی الیکٹ سلیکٹ کے بعد ہم ایک عجب چکر میں مبتلا ہو گئے ہیں اس کی پوری کیفیت آپ میری بڑی بہن روٹی سے سن رہے ہیں، جس دسترخوان پر میں اپنی بہن کے ساتھ موجود ہوں وہ ایک لڑکے کا ہے جس کا نام اسلم ہے اسلم ابھی ابھی اسکول سے آیا ہے اور ہاتھ دھو کر کھانے کی میز پر آ بیٹھا ہے ـــــ سنیئے آپا روٹی جلدی جلدی بول رہی ہیں، خوب دھیان سے سنتے جائیے۔

اسلم نے داہنے ہاتھ سے میرا ایک ٹکڑا توڑ لیا ہے اور وہ اسے شوربے میں بھگو کر منہ کی طرف لے جا رہا ہے، میرا منہ بولا بھائی گوشت پوچھ رہا ہے۔

آپا جان اب کیا ہوگا، اسلم تو بڑا تن درست اور کھلاڑی معلوم ہوتا ہے، یہ ہمیں کہاں لیے جا رہا ہے۔

آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا۔

دسترخوان سے منہ تک کا فاصلہ جلد جلد طے ہو رہا ہے اور اس دوران میں ہم دونوں دنیا پر آخری نگاہ ڈال رہے ہیں، میں گلاس میں بھرے ٹھنڈے پانی کو دیکھ رہی ہوں گوشت کی نگاہ آس پاس رکھی ہوئی چیزوں پر جمی ہوئی ہے، وہ کچھ پریشان معلوم ہو رہا ہے۔ لیجیے اب اسلم نے منہ کھول کر نوالہ زبان پر رکھنے کے بعد زور، زور سے چبانا شروع کر دیا ہے۔ اُف یہ دانت ظالم بڑی بیدردی سے ہم دونوں کو کاٹ کاٹ کر پیس رہے ہیں، اور منہ کا لعاب ہمارے اندر ملتا جا رہا ہے، یہ نشاستہ کو ایک طرح کی شکر (مالٹوز) میں بدلتا جا رہا ہے دانت برابر اپنا کام کیے جا رہے ہیں۔ لیجیے اب جبڑوں میں جڑے ہوئے ان بتیس۳۲ دانتوں نے ہم دونوں کو پیس کر اور کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہی نہیں کر دیا بلکہ ہماری ایک لگدی سی بنا دی ہے دانتوں کے درمیان لگی ہوئی یہ زبان بھی بڑی پکّی بے رحم ہے۔

اس نے آپ ہی آپ ہمیں نیچے دھکیل دیا ہے، اس وقت ہم حلق میں ہیں وہ ہمیں فوراً ہی غذا کی نالی کے حوالے کر رہا ہے یہ نالی بڑی عجیب ہے اس میں اندھیرا بھی ہے اور گرمی بھی اس کے آگے کوئی مشین دھڑ دھڑا رہی ہے۔ کوئی کہہ رہا ہے اس مشین کا نام دل ہے اسی کے پیچھے سے یہ نالی گزر رہی ہے۔ نالی میں ان گنت ریشے لگے ہوئے ہیں مائک پر کوئی کہہ رہا ہے کہ یہ عضلاتی ریشے ہیں یہ ریشے ہر لحہ ہمیں آگے کو دھکیل رہے ہیں، یا خدا یہ گھر اغار کیا بلا ہے جہاں اب ہم پہنچ گئے ہیں یہ تو ایک اچھا خاصا کارخانہ معلوم ہوتا ہے اس میں موٹی موٹی دیواریں ہیں آپ نے ناشپاتی تو ضرور کبھی نہ کبھی کھائی ہوگی بس اس کی شکل عین ویسی ہی ہے میں تو اسے تھیلی سمجھ رہی ہوں اس کی موٹی دیواروں میں بھی عضلاتی ریشے لگے ہوئے ہیں جو ہمارے پہنچتے ہی خود بہ خود حرکت میں آگئے ہیں دیواروں پر آبی جھلی کا استر چڑھا ہوا ہے اس میں ان گنت چھوٹی چھوٹی گلٹیاں جڑی ہوئی ہیں، ان میں سے کھٹا پانی (معدی ترشہ) رِس رہا ہے آواز کہہ رہی ہے کہ یہ کھٹا پانی گوشت والی چیزوں کو حل کرتا ہے اس نے میرے منہ بولے بھائی گوشت پر اپنا عمل شروع کر دیا ہے اور ہاں منہ سے جو لعاب ہمارے ساتھ آگیا ہے وہ بدستور نشاستہ کی شکر بنانے میں لگا ہوا ہے وہی آواز جو پہلے کبھی بہت سی باتیں مائک پر ہمیں بتا چکی ہے پھر گونج اٹھی ہے وہ کہہ رہی ہے۔ ناواقف پردیسیو، اچنبھے میں کیوں پڑتے ہو اس کارخانے کو معدہ (اوجھ) کہتے ہیں کچھ دیر ہم یہاں ٹھیرے رہے اور اس کارخانہ کی مختلف چیزیں اپنا کام کرتی رہیں، معدے کی رطوبت رِس کر ہمیں ہضم کر رہی ہے مگر ہمیں کسی قسم کی تکلیف نہیں ہے سب کام نہایت نرمی اور آہستگی سے ہو رہے ہیں ہمارا کچھ حصہ ہضم ہو گیا ہے کچھ ابھی کچا ہے اتنے میں تھیلی کے نچلے حصہ میں لگا ہوا دروازہ کھل گیا ہے۔ اور ہمارا تھوڑا حصہ جو پہلے ہی "جو کی گھاٹ" کی طرح نرم اور پتلا ہو گیا ہے وہ اسی دروازے سے گزر کر چھوٹی آنت میں جا رہا ہے آواز کہہ رہی ہے کہ اس دروازے کو بوآب کہتے ہیں، ایسا نہیں ہے کہ ہم ایک دم "جو کی گھاٹ" بن جائیں اور ایک ساتھ چھوٹی آنت میں چلے جائیں بلکہ دھیرے دھیرے ہمارا جو حصہ ہضم ہوتا جا رہا ہے وہ چھوٹی آنت میں پہنچتا جا رہا ہے اس دروازے کو آپ جادو کا دروازہ کہہ سکتے ہیں کیوں کہ ہمارا جو حصہ چھوٹی آنت میں چلا گیا ہے یہ اسے لوٹ کر اسی کارخانہ میں آنے نہیں دیتا۔ اور دربان کی طرح اس بات کی پوری نگرانی کر رہا ہے کہ گئی ہوئی کوئی چیز لوٹ نہ آئے، چار گھنٹے کے اندر ہی ہم چھوٹی آنت میں آگئے ہیں، یہ بہت پتلی ہے مگر یہاں بھی ہمیں کوئی تکلیف نہیں ہے، بڑے مزے کی گزر رہی ہے میرا بھائی گوشت بہت گھبرا رہا ہے میں برابر اسے ڈھارس دے رہی ہوں۔

گھبراؤ مت بھیا! ـــ اب تک جو کچھ ہو چکا ہے اس سے زیادہ تو ہونے سے رہا، بلکہ سچ پوچھو تو اب ہم زیادہ آرام سے ہیں۔ یہاں کلیجہ (جگر) سے آئی ہوئی ایک چیز ہمارے اندر مل گئی ہے میں تو اسے پانی ہی سمجھ رہی ہوں مگر آواز کہہ رہی ہے کہ یہ نئی چیز پت (صفرا) ہے باہر کی دنیا میں تو کبھی اس سے پالا نہیں پڑا تھا، اسی کے ساتھ لبلبہ کی بنائی ہوئی ایک رطوبت بھی ہمارے اندر آملی ہے صفرا چربی کو حل کرنے میں لگا ہوا ہے۔ یعنی وہ چربی کو گھلا رہا ہے اور لبلبہ کا پانی اس کی مدد کر رہا ہے ساتھ ہی وہ اس کام کو پورا کر رہا ہے جو منھ کے لعاب اور اس تھیلی (معدے) کے کھٹے پانی (ترشہ) نے ادھورا چھوڑ دیا تھا اب ہم دھیرے دھیرے اور نیچے جا رہے ہیں جیسے جیسے ہم نیچے اترتے جا رہے ہیں آنتوں کی آبی جھلی میں جو گلٹیاں جڑی ہوئی ہیں وہ اپنے پانی سے ہماری اُن چیزوں کو ہضم کر رہی ہیں جو اب تک ہضم ہونے سے رہ گئی تھیں ـــ لیجیے اب تو ہمارے دو حصے ہو گئے ہیں ایک میں تو کچھ یوں ہی سی کام کی چیزیں رہ گئی ہیں۔ آواز نے ہمیں بتایا ہے کہ یہ فضلہ ہے اور یہ بدن کے کسی کام کا نہیں دوسرا حصہ بہت صاف شفاف ہے بالکل دودھ کی طرح، آواز کہہ رہی ہے کہ اس کا نام "کیلوس" ہے اور باریک باریک رگیں اسے کھینچ کر کہیں اور لے جا رہی ہیں ارے اب تو ہم خون میں مل کر نہایت نرم اور نازک نالیوں (رگوں) میں چکر کھاتے سارے بدن میں پھر رہے ہیں، اور اس کی غذا بنتے جا رہے ہیں، اور آواز گا کر کہہ رہی ہے۔

سب کہاں کچھ خونِ رنگیں میں نمایاں ہو گئیں   پیٹ میں کیا روٹیاں ہو گیں جو پنہاں ہو گئیں۔

احسان کا بدلہ احسان

اسد نورانی۔ کراچی

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک لکڑ ہارا تھا۔ وہ روز جو کچھ کماتا اس سے اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ بھرتا۔ ایک دن جب وہ جانے لگا تو اس کی بیوی نے اُسے کچھ کھانے کو روٹی کاغذ میں باندھ کر دی اور جب وہ جنگل میں پہنچا تو اُس نے ایک درخت کاٹنا شروع کیا۔ اور اچانک اُسے آواز آئی تو اُس نے جو اوپر دیکھا تو ایک چڑیا نے کہا "ارے بھائی اس کو نہ کاٹو اس پر میرا آشیانہ ہے۔ اور میرے بچے ہیں۔ مہربانی کر کے اسے نہ کاٹو ورنہ میں برباد ہو جاؤں گی۔" یہ سن کر لکڑہارے نے دوسرے پیڑ کو کاٹنا شروع کیا تو سوچا کہ اب میں تالاب سے ہاتھ دھوآؤں وہاں وہ ہاتھ دھونے گیا۔ تو سانپ نے اُس کی روٹی میں دانت مارے وہ چڑیا جس کے پیڑ کو اس نے نہیں کاٹا تھا۔ وہ اُڑ کر اُس کی روٹی دور ڈال آئی۔ جب لکڑہارا واپس آیا۔ تو اُس نے روٹی نہ پائی تو اُدھر سے چڑیا نے چلانا شروع کیا۔ اور لکڑہارا بھی اس کے پیچھے چلنے لگا کچھ دور چلنے کے بعد وہ روٹی نظر آئی روٹی ہری ہو گئی تھی۔ لکڑہارا سمجھ گیا اور اُس نے سانپ کو مار ڈالا اسکے بعد جب بھی جنگل میں آتا تو چڑیا کو دانا ضرور کھلاتا۔



دو بادشاہ

(تبت کی ایک کہانی)



بہت زمانہ گزرا تبت میں دو بادشاہ حکومت کرتے تھے، ایک ملک کے شمالی حصّے کا بادشاہ تھا اور دوسرا جنوبی حصہ کا۔

تبت کے شمالی حصّے کا بادشاہ بہت مال دار اور خوش حال تھا، اس کی سلطنت میں کبھی کوئی ایسی بیماری نہیں پھیلی تھی، جس سے وہاں کے مویشی مرجاتے، اِس کے علاوہ ملک کے اُس حصّے میں چاول اور گنّے کی فصل ہمیشہ بہت اچھی ہوتی تھی۔

کہتے ہیں تبت کے شمالی حصّے کے بادشاہ کی خوش حالی کا سبب یہ تھا کہ وہاں ایک بہت بڑی جھیل تھی، اُس جھیل کے بیچوں بیچ ایک چھوٹا سا جزیرہ تھا اس جزیرے میں ایک ناگا رہتا تھا جو بڑا خدا رسیدہ بزرگ تھا، جب زمین خشک ہوجاتی تو وہ دعا کرتا اور بارش ہوجاتی، جب دھوپ کی ضرورت ہوتی تو وہ دھوپ کے لیے دعا کرتا اور خوب دھوپ پھیل جاتی اور کھیت سرسبز و شاداب ہوجاتے اور بہت اچھی فصل ہوتی اور درختوں میں خوب پھل آتے۔

کھانے پینے کا سامان کافی تھا، لوگوں کی سب ضرورتیں آسانی سے پوری ہوجاتی تھیں، سب آسودہ حال تھے، اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے اور اپنے بادشاہ کے گن گاتے تھے، وہ کہا کرتے تھے۔ " دنیا میں کہیں ایسی کوئی زمین نہیں ہے جیسا ہمارا ملک ہے اور نہ کہیں ایسا اچھا بادشاہ ہے، جیسا ہمارا بادشاہ ہے۔"

لیکن جو بادشاہ ملک کے جنوبی حصّے پر حکومت کرتا تھا وہ اس کے بالکل برعکس تھا، وہ بڑا بدمزاج تھا، مغرور تھا اور ظالم تھا، وہ اپنی رعایا پر بڑی سختیاں کرتا۔ ان کو سزائیں دیتا تھا ان پر جرمانے کرتا تھا اور ذرا ذرا سی بات پر لوگوں کو جیل خانوں میں بند کردیا کرتا تھا، اور معمولی خطاؤں پر پھانسی دے دیتا تھا۔

اس بادشاہ کی رعایا اس سے نفرت کرتی تھی اور ہر وقت خوف اور مایوسی کا شکار رہتی تھی، بہت سے لوگ اس کی سلطنت چھوڑ چھوڑ کر ملک کے شمالی حصّے میں چلے گئے جہاں امن و امان کی دولت میسّر تھی اور لوگ خوش اور مطمئن تھے۔ حالت یہ ہوگئی کہ ایک دفعہ جب جنوب کے بادشاہ نے اپنی سلطنت کا دورہ کیا تو یہ دیکھ کر ہکّا بکّا رہ گیا کہ تمام شہر اور قصبے اجاڑ پڑے ہوئے تھے، اس نے اپنے درباریوں سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے لوگ بستیاں چھوڑ چھوڑ کر کہاں چلے گئے؟" اُس کے ساتھیوں نے جواب دیا" حضور لوگ یہاں سے ملک کے شمالی حِصّے میں چلے گئے" بادشاہ نے کہا" آخر وہ کیوں چلے گئے؟" ۔۔۔ "حضور! وہاں کی زمین بہت زرخیز ہے اور وہاں لوگ بہت آرام اور اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں۔

جب بادشاہ نے یہ بات سنی تو اُسے بہت غصہ آیا۔ خود پر نہیں، اس لیے کہ اپنے نزدیک وہ کبھی کوئی غلطی کر ہی نہیں سکتا تھا، اسے غصہ شمالی حِصّے کے بادشاہ پر آیا۔ کیوں کہ وہ سمجھتا تھا کہ اس بادشاہ نے میری رعایا کو بہکا کر اور لالچ دے کر اپنی سلطنت میں بلا لیا ہے، اس نے اپنے درباریوں سے پوچھا" شمالی حصّے کی زمین جنوبی حصّے کی زمین سے زیادہ زرخیز کیوں ہے؟" درباریوں میں جو سب سے زیادہ عقلمند تھا اس نے جواب دیا" حضور! شمالی حصّے میں ایک بہت بڑی جھیل ہے اور اس کے بیچوں بیچ ایک جزیرہ ہے جس میں ایک ناگا رہتا ہے، یہ ناگا بڑا خدا رسیدہ بزرگ ہے، کبھی وہ کسی جانور کی صورت میں نظر آتا ہے۔ اور کبھی انسان کے روپ میں۔ آپ کی رعایا شمالی حصّے میں اس ناگاہ کی وجہ سے گئی ہے، جب وہاں کی زمین خشک ہو جاتی ہے تو یہ ناگا۔ مینھ برسا دیتا ہے اور جب پھلوں اور اناج کو پکانے کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ دھوپ پھیلا دیتا ہے، یہی سبب ہے کہ وہاں تمام ضرورت کی چیزوں کی افراط ہے۔

بادشاہ:" پھر بھلا ہم اپنی رعایا کو وہاں سے کیسے بلا سکتے ہیں کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ ناگا یہاں آجائے"

درباری:" صرف جادو منتر کی مدد سے ایسا ہو سکتا ہے"۔ بادشاہ نے کہا" تمھارا شمار بھی تو دانشمندوں میں ہے۔ جادو کرو اور منتر پڑھو اور یہ ثابت کر کے دکھاؤ کہ تم جو تنخواہیں مجھ سے پاتے ہو ان کے مستحق ہو۔ اس کے بعد دانشمند سر جوڑ کر بیٹھے اور بہت دیر تک اس مسئلہ پر گفتگو کرتے رہے۔ اسی دوران میں بادشاہ نے ایک سونے کی ٹوکری تیار کرائی اور شہر کے بیچ میں ایک اونچی جگہ اُسے لٹکوا دیا اور اپنی ساری سلطنت میں یہ اعلان کر دیا کہ جو شخص ناگا مہاراج کو شمالی حصے سے جنوبی حصّے میں لے آئے گا۔ اس طرح کہ وہ یہیں رہنے لگے۔ اس کو یہ سونے کی ٹوکری بطور انعام کے دی جائے گی۔ اس شہر میں ایک جادوگر رہتا تھا یہ اعلان سنتے ہی وہ سیدھا شمالی حصّے میں پہنچا اور اس جھیل کے چاروں کناروں پر جس کے جزیرے میں ناگا رہتا تھا اس نے چار بانس گاڑ دیے، اور ہر بانس کے سرے پر رنگ برنگ کے تاگے باندھ دیے اور ناگا مہاراج کو قابو میں لانے کے لیے گیان دھیان میں مصروف ہوگیا۔

جھیل کے چاروں طرف جو جنگل تھا اس میں ایک شکاری رہتا تھا، یہ شکاری ناگا مہاراج

کا چیلا تھا اور اکثر ان کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا - ایک روز جو وہ آیا تو اس نے اس جادوگر کے بانس اور ان میں رنگ برنگ کے تاگے لہراتے ہوئے دیکھے، وہ بڑا حیران ہوا، آخر اس کی نظر ایک درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے جادوگر پر پڑی اس نے جادوگر سے جا کر پوچھا کہ "یہ سب کیا تماشا ہے، کس پر ڈورے ڈال رہے ہو؟"

جادوگر نے کہا "میں ناگا مہاراج کو اپنے قبضہ میں لانا چاہتا ہوں" شکاری نے کہا۔ ناگا مہاراج سے تمھیں کیا واسطہ، تم انھیں کیوں قبضے میں لانا چاہتے ہو؟" جادوگر نے کہا۔ "مجھے جنوبی حصّے کے بادشاہ نے بھیجا ہے وہ ناگا مہاراج کو اپنے ملک میں رکھنا چاہتا ہے" شکاری اس کی بات سن کر چپ ہو گیا، شام کو جب وہ اپنی کشتی میں بیٹھ کر جزیرے میں گیا تو اس نے مہاراج سے کہا کہ "ایک جادوگر جھیل کے کنارے منتر پڑھ رہا ہے وہ یہ چاہتا ہے کہ آپ کو قبضہ میں لا کر جنوبی حصّے میں لے جائے کیا آپ وہاں جانا چاہتے ہیں

ناگا مہاراج نے جواب دیا نہیں، یہ میرا وطن ہے یہاں میرا گھر ہے۔ میں یہاں سے کہیں جانا نہیں چاہتا، مگر دو دن سے مجھے ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے کوئی مجھے کنارے کی طرف کھینچ رہا ہو، میں اس کے اثر سے بچنا چاہتا ہوں مگر معلوم ہوتا جادو بہت تیز قسم کا ہے اور شاید مجھے جانا ہی پڑے۔

شکاری نے جواب دیا "آپ مطمئن رہیے میں اس کے جادو کا توڑ کر دوں گا، آپ میرے گرو ہیں آپ کے مجھ پر بہت سے احسانات ہیں، میں آپ کو ہرگز یہاں سے نہ جانے دوں گا۔"

اگلے دن صبح کو شکاری جھیل کے پاس ایک جھاڑی میں چھپ کر کھڑا ہو گیا، تھوڑی دیر بعد جادوگر نکلا اور بانسوں میں بندھے ہوئے رنگ برنگ کے تاگوں کو ترتیب سے لگانے لگا۔ اس کے بعد وہ جزیرے کی طرف نظر جما کر منتر پڑھنے لگا لیکن اس سے پہلے کہ منتر کے پہلے لفظ اس کے منہ سے نکلتے شکاری نے ایک تیر اس طرف پھینکا جو اس کے بازو میں جا کر لگا، وہ تکلیف سے چیخ پڑا اس نے جلدی سے تیر اپنے بازو سے نکالا اور پھر منتر جپنا شروع کر دیا، شکاری نے دوسرا تیر چلایا جو اس کی ٹانگ میں جا کر لگا، وہ ہائے کر کے بیٹھ گیا، تیر اپنی ٹانگ سے نکالا اور تھوڑی دیر آرام کر کے پھر اپنا کام شروع کر دیا اس کے بعد شکاری نے تیر پر تیر اس کی طرف پھینکنے شروع کر دیے جادوگر بہت گھبرایا، پہلے تو ادھر ادھر بھاگ کر تیروں سے بچنے کی کوشش کی مگر جب ان سے بچنے کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو جس طرف سے تیر آ رہے تھے ادھر کا رخ کیا اور چیخ چیخ کر کہنے لگا کہ بھگوان کے لئے مجھ پر دیا کیجیے، شکاری جھاڑی سے نکلا اور کہنے لگا "دیکھو جادوگر، میں تجھے ہرگز یہاں منتر نہیں پڑھنے دونگا۔ تو اپنی خیریت چاہتا ہے تو یہاں سے فوراً چلا جا اپنے بانس نکال لے اور اپنے تاگے سمیٹ لے۔

جادوگر نے بے بسی میں اس قد آور جوان کی طرف دیکھا اور بولا "بھائی، جو تمھاری مرضی ہے میں وہی کروں گا" اس کے بعد اس نے اپنے بانس اور اپنے تاگے وغیرہ لئے اور وہاں سے رخصت ہو گیا اب شکاری اپنی کشتی میں بیٹھ کر ناگا مہاراج کے پاس پہنچا اور ان سے کہنے لگا "مہاراج کیا ابھی تک آپ جادو کی کشش محسوس کر رہے ہیں؟" ناگا مہاراج نے کہا۔ نہیں اب میں کسی قسم کی کشش محسوس نہیں کر رہا ہوں مگر ممکن ہے اس کا اثر پھر شروع ہو جائے شکاری نے کہا "آپ مطمئن رہیے میں نے جادوگر کو بھگا دیا" معلوم ہوتا ہے پھر کسی نے ناگا مہاراج کو جنوبی حصّے میں لانے اور سونے کی ٹوکری انعام میں پانے کا بیڑا نہیں اٹھایا کیونکہ اس ظالم بادشاہ کے مرنے کے بعد بھی سیکڑوں برس تک وہ سونے کی ٹوکری لٹکی رہی



صفاچٹ

ایک دفعہ کا ذکر ہے ایک بلّی اور چوہے میں بڑی دوستی تھی۔ ارے؟ آپ بھی کہیں گے بھلا بلّی اور چوہے میں بھی دوستی ہوئی ہے۔ تو بات یہ ہے کہ وہ چوہا ہر وقت بی بلّی کی خدمت میں لگا رہتا۔ تب بلّی بھی اس سے خوش رہتی۔ معلوم ہے وہ خدمت کیا ہوتی بےچارے چوہے کو جہاں کہیں سے کوئی کھانے کی چیز ملتی، بلّی کے سامنے لاکر رکھتا۔ وہ ایک دم ہڑپ کرلیتی چوہا خود کچھ نہ کھاتا۔ ڈرتا تھا کہ اگر بلّی کے کھانے میں کمی ہوئی تو سب سے پہلے مجھے کھا کر ہی پیٹ بھرے گی۔ ایک دفعہ کیا ہوا کہ چوہا ایک حلوائی کی دُکان سے ایک بالائی کا آب خورہ چرالایا اور بلّی کے سامنے پیش کیا۔ بلّی نے کہا یہ تو بہت سارا ہے۔ کسی جگہ چھپا کر رکھ دیتے ہیں، روز تھوڑا تھوڑا دونوں کھائیں گے، چوہا بھی خوش ہوگیا۔ اب دونوں سوچنے لگے کہ اس کو رکھیں کہاں۔ آخر ایک ترکیب سمجھ میں آئی۔ انھوں نے کہا کہ پاس ہی ایک ٹوٹی ہوئی مسجد خالی پڑی ہے، وہاں رکھ دیں گے دونوں نے ملکر آب خورہ مسجد کے ایک کونے میں رکھ دیا۔

دوسرے دن بلّی چوہے کی آنکھ بچاکر مسجد میں جا پہنچی اور اس آب خورہ کے اوپر سے ساری ملائی کھالی۔ چوہے نے جب بلّی کو آتے دیکھا تو ڈرتے ڈرتے کہنے لگا کہ خالہ کہاں گئی تھیں۔ بلّی بڑی چالاک تھی۔ ایک دم بولی میری بہن کے گھر لڑکا ہوا تھا، وہاں گئی تھی۔ چوہے نے پوچھا نام کیا رکھا ہے۔ بولی "بالاچٹ" چوہے نے پوچھا کہ چلو آؤ تھوڑی سی بالائی کھا آئیں۔ تو بلّی کہنے لگی، آج نہیں۔ کبھی اور سہی۔

دوسرے دن پھر بلّی نے جاکر کچھ بالائی کھالی اور آب خورہ آدھا رہ گیا۔ چوہے نے پھر اس کو آتے دیکھ کر سوال کیا تو کہنے لگی میری دوسری بہن کے گھر لڑکی ہوئی ہے۔ چوہے نے پوچھا کیا نام رکھا ہے کہنے لگی "آدھا چٹا"۔

تیسرے دن بھی پھر ایسا ہوا، کہنے لگی میرے بھائی کے گھر لڑکا ہوا ہے، چوہے نے پوچھا نام کیا رکھا ہے، تو کہنے لگی "صفاچٹ" اب تو چوہا سمجھ گیا۔ اس

کی سمجھ میں ساری چالاکی آگئی۔ اس کو ایک دم غصہ آگیا۔ کہنے لگا کہ تم بڑی چالاک ہو، ساری بالائی کھالی۔ بلّی نے دیکھا کہ اب یہ بہت شریر ہو رہا ہے تو کہا، شکر کرو تمھیں نہیں کھایا، لو اب تمھیں بھی کھاتی ہوں اور یہ کہہ کر چوہے کی طرف لپکی اور ایک ہی نوالہ میں صفاچٹ کر دیا۔

(حامدہ جبیں۔ راولپنڈی)

کنول کی شہزادی

بہت مدت گزری کسی جھیل کی ہری ہری سطح پر کنول کا ایک سُرخ پھُول تیرا کرتا تھا۔ اس میں ایک ننھی منّی شہزادی رہتی تھی۔ وہ انتہائی نازک اور حسین تھی۔ اس کے سر پر ایک نیلم کا ننھا سا تاج تھا اور اس کے خوبصُورت پر بھی تھے۔

ایک دن شہزادی اپنے کنول میں بیٹھی جھیل کا نظارہ کر رہی تھی کہ اتنے میں پروانوں کا غول اُدھر سے گزرا۔ جھلملاتے کنول میں تارہ سی شہزادی کو دیکھا تو وہ اڑتے اڑتے رک گئے اور بے اختیار ہو کر شہزادی کے پاس پہنچے۔ اس دن سے پروانے اس خوبصُورت شہزادی کے کنول کے گرد گھومتے رہتے۔

ایک دن شام کے وقت پروانے التجا کرنے لگے کہ شہزادی ہم سے شادی کرلو۔ شہزادی نے ان سب کو بلوایا اور ان سے کہا کہ اے میری محبت کا دم بھرنے والو سنو!

رات کے وقت جب میرے کنول کے گرد اندھیرا ہو جاتا ہے مجھے اندھیرے میں ڈر معلوم ہوتا ہے۔ تم سب جاؤ میرے لیے روشنی لاؤ۔ تب میں تمھاری محبت کا یقین کروں گی۔ جو کوئی بھی روشنی لائے گا میں اس سے شادی کرلوں گی۔ یہ سن کر پروانے روشنی کی تلاش میں گئے۔ آخر انھیں ایک مکان کی کھڑکی میں روشنی نظر آئی۔ فوراً اندر پہنچے۔ دیکھا کہ ایک کمرے میں شمع جل رہی ہے ایک پروانے نے محبت کے جوش میں اندھا دھند شمع کو پکڑنا چاہا لیکن شمع کی لو کے پاس آیا ہی تھا کہ وہیں جل کر مر گیا۔ دوسرا بڑھا وہ بھی جل گیا۔ اسی طرح تمام پروانے شمع کے قریب آ آکر جل گئے۔ اِدھر شہزادی اپنے کنول میں خوش خوش بیٹھی روشنی کا انتظار کر رہی تھی کہ اتنے میں اِدھر سے ایک جگنو گزرا۔ اس کی دم میں ایسی نورانی روشنی تھی کہ شہزادی کا کنول جگ مگ جگ مگ کرنے لگا مگر پروانے کنول کی شہزادی کے حکم پر اس طرح محو ہوئے کہ کچھ خبر نہ رہی۔ جب سے آج تک اسی کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ کنول کی شہزادی کے لیے روشنی لے جائیں۔

(محمد ادریس انصاری لال منیرٹ)

عقل مند لڑکا

بہت زمانے کی بات ہے۔ اٹھارہ سو سال قبل چین میں ساؤ ساؤ بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ اس کے ایک بیٹا تھا جس کی عمر چھے سال کی تھی۔ اس کا نام ستین چنگ تھا۔

ایک دوسرے ملک کے بادشاہ نے ساؤ ساؤ بادشاہ کو ایک ہاتھی تحفہ میں بھیجا۔ اس کے قبل چینیوں نے ہاتھی نہیں دیکھا تھا۔ اس نئے جانور کے ڈیل ڈول کو دیکھ کر انھیں بہت تعجب ہوا۔ سب سے زیادہ حیرت ننھے شاہزادہ کو تھی۔ کیوں کہ شاہی اصطبل کے اس سب سے بڑے جانور سے اس کو بہت دلچسپی ہو گئی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ اس پر سوار ہو اور کھیل تماشہ کرے۔ اِدھر بادشاہ کے دل میں الگ ایک خیال پیدا

ہوا۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح اس عظیم الشان جانور کا وزن معلوم ہو جائے۔ چناں چہ اس نے اپنے وزیر اعظم کو حکم دیا کہ ہاتھی کا وزن کروائے۔ وزیر اعظم کو بڑی فکر ہوئی کہ کس طرح اس کا وزن کرے! کیوں کہ ملک میں تو صرف چھوٹی چھوٹی چیزوں کے وزن کرنے کا انتظام تھا۔ چوں کہ اس سے پہلے اتنے بڑے جانور کا وزن کرنے کی نوبت نہیں آئی تھی، اس لیے وزن کا اتنا بڑا ترازو اور پلڑا ابھی ایجاد نہیں ہوا تھا۔ بہرحال بڑے سوچ بچار کے بعد وزیر نے کانپتے کانپتے بادشاہ کے حضور میں اپنی معذوری ظاہر کی!

تب بادشاہ نے ملک کے بڑے بڑے عقلمندوں کو بلوایا اور کہا کہ کوئی ترکیب کرو کہ ہاتھی کا وزن معلوم ہو۔ ان عقلمندوں نے اکٹھے ہو کر بہت غور و فکر کیا مگر کوئی ترکیب ان کی سمجھ میں بھی نہ آئی۔ انھوں نے بھی بادشاہ کے حضور میں اپنی بے بسی ظاہر کی۔

رستن چنگ نے بھی یہ باتیں سن لی تھیں۔ اس معاملے میں اس کی دلچسپی اور بھی بڑھی۔ اس نے بادشاہ سے عرض کیا کہ وہ ہاتھی کا وزن معلوم کرلے گا۔ بادشاہ یہ سن کر ہنسا کیوں کہ جب ملک کے بڑے بڑے عقلمندوں کو اس میں ناکامی ہوئی تھی تو وہ ننھا لڑکا کیا کرسکتا تھا۔ چوں کہ وہ شاہزادے سے بڑی محبّت کرتا تھا اس لیے اس نے حکم دیا کہ شاہزادہ جو کہے اس کی تعمیل کی جائے۔ بستن چنگ نے ایک بڑی کشتی بنوائی جس میں ہاتھی آسانی سے آسکتا تھا۔ ہاتھی کو اس میں سوار کرا کر اس نے لوگوں کو کہا کہ کشتی جہاں تک ڈوبی ہے نشان لگائے۔ نشان لگوانے کے بعد اس نے ہاتھی کو کشتی پر سے اتروا لیا۔ پھر حکم دیا کہ اب کشتی کو پتھروں سے بھر دیا جائے۔ حتیٰ کہ کشتی لگائے ہوئے نشان تک پانی میں ڈوب جائے۔ حکم کی تعمیل ہوئی پھر اس نے کل پتھروں کو اتروایا اور انھیں وزن کروایا۔ اس طرح چالاک شاہزادہ نے اپنی سوجھ بوجھ سے ایک بڑا کام انجام دیا۔ رؤسا، حکومت نے بادشاہ کو ایسے چالاک شاہزادہ کے باپ ہونے کی مبارکباد دی۔

پیارے بھیا، آپ کہاں ہیں

آج جبکہ آپ کی یاد مجھے بہت ستا رہی ہے میں ان تمام دنوں کو یاد کر رہا ہوں جو میں نے آپ کے ساتھ گزارے تھے۔ مجھے آج بھی وہ دن یاد ہے جبکہ ہم لوگ ایک جگہ رہتے تھے ایک ہی اسکول میں پڑھتے تھے۔ مجھے آج بھی وہ دن یاد ہے کہ ہم دونوں جب کوئی کام کرتے تھے تو ایک ساتھ، اسکول ایک ساتھ جاتے اور آتے تھے۔ مگر میں نے یہ بھی سوچا نہیں تھا کہ ایک دن جبکہ میں بڑا اور ہوش مند ہو جاؤں گا تو آپ مجھ سے بچھڑ جائیں گے۔ ایک دن ایسا آیا جب ہم لوگوں کو اس مکان کو چھوڑنا پڑا، مگر پھر بھی ہم لوگ ساتھ رہے۔ پھر ایک دن میں دوسری جگہ چلا آیا اور دوسرے اسکول میں داخلہ لے لیا۔ آج بھی وہ دن یاد ہے جس دن آپ کو آپ کے والد صاحب نے کسی کام کے لیے باہر بھیجا تھا۔ مگر آج تک واپس نہ آئے۔ آپ کے گھر میں قیامت برپا تھی۔ ہر کوئی تلاش کر رہا تھا۔ والدہ کا رو رو کر برا حال تھا۔ چاٹگام، کھلنا، کومیلا کون سا شہر تھا جہاں آپ کو نہ تلاش کیا گیا ہو، مگر سب بے سود، آپ کے ایک دوست

نے مجھے بتایا کہ آپ کراچی جانے والے تھے۔ آپ چلے گئے لیکن میرے دل میں اپنی یاد چھوڑ گئے۔ آپ کے جانے کے چند ماہ بعد نانی صاحبہ علیل ہوئیں، مرض بڑھتا گیا اور آخر، ار اگست ۱۹۵۵ء کو ہم لوگوں کو داغِ مفارقت دے گئیں۔ یہ دن پورے خاندان کے لیے غم اندوہ تھا۔ کون ایسا فرد تھا جس کی آنکھ میں آنسو نہ ہو، ایک تو آپ کی جدائی کا غم اور دوسرے والدہ کی وفات کا صدمہ ایسا تھا جس نے آپ کی والدہ کو پاگل سا کر دیا آج آپ کو گئے ہوئے ایک سال کا عرصہ ہو گیا۔ اس عرصے میں لاکھوں جتن کیے گئے۔ تعویز گنڈا کیا گیا، مگر سب بے سود۔ آج بھی جب ہم لوگ آپ کو یاد کرتے ہیں تو آنکھوں میں بے اختیار آنسو آجاتے ہیں۔ اب میں چاہتا ہوں کہ کم از کم یہ معلوم کر لوں کہ آپ کہاں ہیں۔ اس لیے یہ خط لکھ رہا ہوں تاکہ اس خط کو پڑھ کر آپ جلد جواب دیں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں گھر کے کسی فرد کو یہ راز نہ بتاؤں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے۔ انشاءاللہ سمیع کبھی وعدہ خلافی نہیں کرے گا۔ آپ مجھ کو مندرجہ ذیل پتہ پر خط لکھیں۔ اپنا پتہ بھی تحریر کریں تاکہ میں آپ سے خط و کتابت کر سکوں۔ آپ کو میری قسم ہے کہ یہ خط پڑھیں تو ضرور جواب دیں۔ باقی آئندہ لکھوں گا۔

آپ کا بدنصیب بھائی

محمد سمیع

حساب کا جادو

اپنے کسی دوست کو کہو کہ وہ ۱۰ سے لے کر ۹۹ تک کوئی عدد لکھے۔ اب اس عدد کے ہندسوں کو آپس میں جمع کریں اور حاصل جمع کو اس عدد سے تفریق کر دے۔ اب وہ آپ کو اس عدد کا دائیں حرف بتا دے۔ دوسرا حرف نہ بتائے اب آپ اس عدد کو جو اس نے بتایا ہے ۹ میں سے منفی کر دیں تو دوسرا عدد آجائے گا۔

مثال کے طور پر وہ ۴۵ لکھتا ہے۔ ۵ اور ۴ کو جمع کیا گیا تو ۹ آگیا اب ۹ کو ۴۵ میں سے منفی کیا تو ۳۶ آگیا۔ اب ۶ کا عدد آپ کو وہ بتائے گا۔ آپ ۹ میں سے ۶ منفی کر لیں تو دوسرا عدد یعنی ۳ آجائے گا۔

ظفر فاروق ملک۔ سیالکوٹ

یہ دل کش مسکراہٹ

یہ دلکش مسکراہٹ تو آپ کی بھی ہو سکتی ہے! تھوڑا سا ہمدرد منجن انگلی پر لیکر دانت مانجھیے۔ آپ کے دانتوں میں قدرتی چمک پیدا ہو جائے گی۔ انگلی قدرت کا عطیہ ہے۔ اس کی مدد سے ہمدرد منجن دانتوں کے اندر تک پہنچ جاتا ہے۔ انگلی سے مسوڑھوں کی بہترین ورزش ہوتی ہے۔ یہ وہ خوبی ہے جو کسی اور ذریعے سے ممکن نہیں۔

ہمدرد منجن کی چند خصوصیات :

ہمدرد منجن' دانتوں کی بہترین صفائی کرتا ہے۔ انگلی کی مالش سے مسوڑھوں کے رگ و ریشہ کو تقویت پہنچتی ہے جو دانتوں اور مسوڑوں کی مضبوطی کے لئے بے حد ضروری ہے۔

ہمدرد منجن' خوشبودار ہے اور سانس کی بدبو کو ختم کر دیتا ہے۔

ہمدرد منجن کے باقاعدہ استعمال سے دانتوں پر نکوٹین وغیرہ کے دھبے نہیں جمنے پاتے۔ نیز' یہ تیزابیت کو دور کرتا ہے۔

ہمدرد منجن منہ میں ٹھنڈی میٹھی خوشبو پیدا کرتا ہے۔ بچے اس سے دانت مانجھ کر بہت خوش ہوتے ہیں۔





ہمدرد منجن

مسکراہٹ میں کشش اور دانتوں میں سچے موتیوں کی چمک پیدا کرتا ہے۔

ہمدرد دواخانہ (وقف)، پاکستان

کراچی ڈھاکہ لاہور

UNE 1959 Regd. No. S-190.

Hamdard-e-Naunehal

TITLE PRINTED AT THE NOVELTY ART PRESS AMIL ROAD, KARACHI-1